سپیرن
اظہار اثر
جاسوسی نشست
JASOOSI NASHIST

سپیران

اظہار اثر

اشاعت بار اول ایک ہزار

قیمت:۔ دو روپے بارہ آنے

سول ایجنٹ۔

نیو تاج آفس پوسٹ بکس نمبر ۱۷۴۹ دہلی

فیروز آرٹسٹ کے نام —

جس نے دوستی کی خاطر اپنی محبت کو قربان کر دیا ——

اظہار اثر

پیش لفظ

منظور ہے گذارشِ احوال واقعی
ہرگز کبھی کسی سے عداوت نہیں مجھے

فسانوں کے کئی مجموعے شائع ہونے کے بعد میرا پہلا ناول "ناگن" چھپا۔ تو ادبی حلقوں میں ایک خاص قسم کی بے چینی کی لہر دوڑ گئی ـــــــ کچھ ذہنوں کے لئے اظہار اثر اور "ناگن" یہ دو نام ناول نگاروں کی محفل کا موضوع بن گئے ـــــــ ریستورانوں میں۔ کافی ہاؤسوں میں۔ پارکوں میں جہاں کہیں دو چار ادیب جمع ہو گئے "ناگن" کا تذکرہ ضرور آتا۔

دراصل ہندوستان کے ان مشہور ادیبوں کے بوکھلانے کی وجہ صرف یہ تھی کہ "ناگن" اردو ادب میں اپنی طرز کا واحد جاسوسی ناول تھا جس کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ وہ طبع زاد تھا ـــــــ اور اسے ایک ہندوستانی ادیب نے تخلیق کیا تھا۔

جاسوسی ناولوں کی یہ صنف اردو زبان کے لئے بالکل نئی تھی جس کی وجہ سے ناول امید سے زیادہ مقبول ہوا۔ اور یہ تمام ادب کے ٹھیکیدار جھنجھلا اٹھے۔

آخر بڑے غور و خوض کے بعد ان تمام کہنہ مشق ادیبوں نے یہ فیصلہ کیا کہ "ناگن" کو کسی دوسری زبان کا ترجمہ بنا کر اس کی اہمیت کم کر دی جائے۔

چنانچہ "ناگن" شائع ہونے کے تقریباً پندرہ بیس روز بعد لکشمی ریسٹوران کے ایک کیبن میں ان عظیم ادیبوں کی ایک محفل منعقد ہوئی جس میں ایک مشہور ناول نگار نے انکشاف فرمایا کہ "ناگن" مصری زبان کے ایک ناول کا ترجمہ ہے۔ ایک دوسرے صاحب نے (جو ڈرامی ادیب، شاعر، ایڈیٹر اور نہ جانے کیا کیا ہیں) اصلاح فرمائی، کہ نہیں عربی زبان سے چربہ اتارا گیا ہے۔ تیسرے ایک عظیم فنکار نے رائے ظاہر کی۔ کہ فرانسیسی زبان سے اخذ کیا گیا ہے ــــــ غرض اس محفل میں جتنے اصحاب شریک تھے سب نے الگ الگ اپنی رائے پیش کی اور ثابت کرنا چاہا کہ "ناگن" اظہار اثر کا طبع زاد ناول نہیں ہے۔ لیکن بدقسمتی سے وہ تمام حضرات کسی ایک بات پر متفق نہ ہو سکے۔

اس قسم کی تمام اطلاعات مجھ تک بھی پہنچتی رہیں۔ لیکن میں خاموش رہا۔ کیونکہ میں جانتا تھا کہ حقیقت کو کتنا ہی مسخ کرنے کی کوشش کی جائے کامیابی ناممکن ہے دوسرے یہ کہ یہ لوگ بے چارے اپنی فطرت سے مجبور ہیں۔

میرے کئی دوستوں نے اصرار کیا کہ میں بھی ان لوگوں کی باتوں کا جواب دوں۔ لیکن میں نے انہیں یہ کہہ کے سمجھا دیا کہ مجھے اس سلسلے میں پریشان ہونے کی بالکل ضرورت نہیں۔ یہ لوگ خواہ مخواہ مخالفت کر کے خود یہ بات ثابت کر رہے ہیں کہ "ناگن" طبع زاد ناول ہے اور اردو زبان میں اپنی قسم کا واحد ناول ہے۔ ورنہ انہیں اس قدر بوکھلانے کی ضرورت نہیں تھی۔

یہی تمام وجوہات تھیں جن کی بنا پر مجھے اپنا دوسرا ناول "سپیرن" بھی اسی انداز کا لکھنا پڑا ـــــ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس ناول کو "ارباب ذوق" کس کس زبان سے ترجمہ بتاتے ہیں۔ ؟

"سپیرن کیسا ناول ہے ـــ ؟ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہوں گا۔ اس کا فیصلہ پڑھنے والوں کے اختیار میں ہے۔ لیکن اتنا ضرور عرض کردوں گا کہ پراسرار اور بعید از فہم حالات۔ زہر خورانی کے خوف ناک طریقے۔ عجیب عجیب زہر اور ان کی ہلاکت خیزیاں ـــــ سائنٹیفک طور پر زہریلے جانوروں اور ان کے زہروں کے تجربات۔ سُراغرسانی کے حیرت انگیز کمالات اور محبت کی نرم نرم، شیریں شیریں بوالعجیاں بغرض دلچسپی کی ایسی کیا شے ہے جو اس ناول میں آپ کو نہیں ملے گی؟ جہاں تک میری اپنی رائے کا تعلق ہے "سپیرن" ناگن سے زیادہ دلچسپ ناول ہے۔

آخر میں "سپیرن" کے پڑھنے والوں سے ایک گذارش ضرور کروں گا کہ ناول پڑھنے کے بعد اگر آپ اپنے تاثرات مجھے لکھ کر بھیجیں تو میں بہت مشکور ہوں گا۔ ناول کے متعلق اچھے یا بُرے جیسے بھی تاثرات آپ کے دل میں پیدا ہوئے ہوں وہ مجھے بے تکلفی سے تحریر فرما دیں۔ شکریہ!

اظہار اثر

نمبر ۱۲۶ گلی جامن والی کلاں محل دہلی

باب ۱

خُونی چیخ

ایک چیخ ——— ایک تیز انسانی چیخ کی آواز سن کر میں اور محمود دونوں چونک پڑے ——— ہم دونوں نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا اور رائفلیں کندھوں سے اتار کر ہاتھوں میں لے لیں۔

رات کا وقت تھا اور ایک بھیانک جنگل جس میں راستہ کھو جانے کے باعث ہم مسلسل تین گھنٹے سے سر ٹکراتے پھر رہے تھے ——— آج کی مصیبتیں اٹھانے کے بعد ہم دونوں نے تہیہ کر لیا تھا کہ آئندہ ایسے گھنے اور خوفناک جنگل میں اس وقت تک ہرگز شکار کھیلنے نہیں آئیں گے۔ جب تک تین چار ملازم ساتھ نہ ہوں ———

چیخ کی آواز ہمارے بالکل قریب سے آئی تھی ——— یہی کوئی بیس پچیس گز کے فاصلہ سے ——— لیکن چونکہ تاریکی اس قدر سخت چھائی ہوئی تھی کہ ہاتھ کو ہاتھ سجھائی نہ دیتا تھا ——— اور دوسرے جنگل اس قدر گھنا تھا کہ دو قدم

کی چیز کے متعلق بھی صحیح اندازہ کرنا ناممکن تھا۔ اس لئے ہمارا خوف زدہ ہو جانا فطری امر تھا۔

اس میں شک نہیں کہ چیخ۔ کسی انسان کی تھی۔ ——— ہم دونوں کچھ دیر کھڑے ہوئے سوچتے رہے ———

پھر میں نے محمود سے کہا :-

"کیا خیال ہے ؟"

"چل کر دیکھنا چاہیئے، کیا معاملہ ہے"۔ اس نے مشورہ دیا۔

"اور اگر کسی مصیبت میں پھنس گئے تو ——— ؟" میں نے خوف ظاہر کیا۔

"خطرہ تو ہے ——— لیکن اس خوفناک جنگل میں تو ہر جگہ خطرہ ہی خطرہ ہے۔ پھر کیوں نہ اسے بھی دیکھنے چلیں۔ ہو سکتا ہے کہ وہاں چلنا ہمارے لئے بھی کچھ مفید ہو جائے۔"

"چلو پھر ———" میں نے کہا۔ اور اپنی بڑی سی شکاری ٹارچ کا بٹن دبایا ——— دودھیا رنگ کی سفید سفید روشنی بڑے سے گول دائرے کی شکل میں سامنے بڑے بڑے تناور درختوں کے جھنڈ میں پھنس کر رہ گئی۔

ہم دونوں خاردار جھاڑیوں سے الجھتے ہوئے اور بہت احتیاط سے قدم اٹھاتے ہوئے آگے بڑھے ——— اس ایک چیخ کے بعد پھر کوئی مشتبہ آہٹ ہمیں سنائی نہیں دیتی تھی ——— ویسے جنگلی جانوروں کے ادھر سے اُدھر گذرنے کی آوازیں کبھی کبھی ہمیں چونکا دیتی تھیں۔

بیس پچیس گز کے فاصلہ تک تلاش کرتے ہوئے ہم آگے بڑھ گئے۔ لیکن کوئی چیز ایسی نظر نہ آئی جس سے کسی تیسرے انسان کی موجودگی کا پتہ چل سکتا ——— پندرہ بیس منٹ تک ادھر اُدھر ٹکریں مارنے کے بعد میں نے محمود سے کہا :-

"ہو سکتا ہے کہ ہمیں دھوکا ہوا ہو ——"

"کیا مطلب ؟" محمود چلتے چلتے ٹھہر گیا۔

"مطلب یہ کہ ہو سکتا ہے وہ چیخ کسی انسان کی نہ ہو۔ صرف ہماری سماعت کا واہمہ ہو ——"

"یہ ناممکن ہے" —— محمود نے زور دے کر کہا — "میں نے واضح طور سے وہ چیخ سنی تھی —— میری سماعت کبھی دھوکا نہیں دے سکتی ——"

"یہ تو ہو سکتا ہے کہ وہ چیخ انسان کی بجائے کسی جنگلی جانور کی ہو"

"ہاں یہ ممکن ہے" —— اس نے جواب دیا — "لیکن پھر بھی ہمیں تھوڑی سی جد و جہد اور کرنی چاہیئے —— رفع شک کی تھوڑی سی تکلیف بھی اٹھالی جائے تو کیا حرج ہے —— اور کیا خبر ہے کہ کوئی مظلوم انسان واقعی ہماری امداد کا محتاج ہو"

"جیسے تمہاری مرضی" —— میں نے اپنی رائفل کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا اور آگے چل پڑا ——

کچھ دور چل کر ہمیں دو رویہ درختوں کے درمیان ایک پتلا سا راستہ نظر آیا۔ جیسے کسی نے درمیان کے درخت کاٹ کر ایک پتلی سی پگ ڈنڈی بنا دی ہو۔ ہم دونوں اس پگڈنڈی پر ہو لئے۔ لیکن دس قدم چلنے کے بعد پتہ چلا کہ آگے بہت ساری خاردار جھاڑیاں آجانے کی وجہ سے راستہ بند ہو گیا ہے ——

"یہ تو راستہ بند ہے محمود! —— چلو واپس چلیں" — میں نے محمود کو متوجہ کر کے کہا ——

"چلو ——" محمود نے جواب دیا ——

ٹارچ کے دودھیا رنگ کے سفید گول دائرے کو میں نے جھاڑیوں سے ہٹا کر واپس مڑنے کے لئے پگ ڈنڈی پہ ڈالا ــــــ

لیکن جب روشنی کا حلقہ جھاڑیوں سے ہٹ کر بائیں کے گھنے درختوں پڑا، تو میں چونک کر رہ گیا ــــــ میں نے خوف زدہ ہو کر پوری قوت سے محمود کا شانہ پکڑ لیا اور اُسے جھنجوڑ کر سرسراتی ہوئی آواز میں کہا۔

"محمود!"

محمود اچانک اس طرح مجھے خوف زدہ دیکھ کر گھبرا گیا ــــ

"کیا ہے ــــ؟" اس نے جلدی سے پوچھا ــــ

"وہ دیکھو ــــ وہ سامنے ــــ اُس کھوکھلے درخت کی جڑ کے پاس" ــــ میں نے روشنی کے حلقے میں آئے ہوئے ایک درخت کی جانب اشارہ کر کے کہا:۔

محمود نے اس جانب دیکھا ــــ اور میری ہی طرح خوف زدہ ہو کر وہ بھی ایک قدم پیچھے ہٹ گیا۔

"لاش ــــ انسانی لاش" ــــ اس نے میرے شانے پر ہاتھ رکھ کر کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا ــــ

"ہاں کسی آدمی کی معلوم ہوتی ہے ــــ یقیناً وہ چیخ اسی بدنصیب شخص کی ہوگی۔"

"ہو سکتا ہے" ــــ محمود نے جواب دیا ــــ "چلو ذرا قریب چل کر دیکھتے ہیں کہ آخر اُسے کیا ہوا ــــ؟"

ہم دونوں آگے بڑھے ــــ اب وہ شخص جو ایک کھوکھلے درخت کے پاس چاروں شانے چت پڑا ہوا تھا۔ پوری طرح میری شکاری ٹارچ کے تیز

اور روشن حلقہ میں تھا۔

میں نے جھک کر اسکی نبض ٹٹولی ـــــ نبض بالکل ساکت تھی، دل پہ ہاتھ رکھا تو حرکت قلب بھی بالکل بند تھی۔

"یہ تو ختم ہوگیا ـــ" میں نے محمود کی طرف منہ پھیر کر کہا۔ جو میری بغل میں ہی گھٹنوں کے سہارے زمین پر بیٹھا ہوا مقتول کو بغور دیکھے جا رہا تھا۔

"لیکن اس کے منہ سے اتنے جھاگ کیوں نکل رہے ہیں ـــــ ؟"

محمود نے میری توجہ یکایک اس کے چہرہ کی جانب مبذول کرادی ـــــ میں نے ٹارچ کی پوری روشنی اس کے چہرہ پر ڈالی تو دیکھا۔ اس کا چہرہ بالکل نیلا ہوچکا ہے۔ اور منہ سے کافی تعداد میں ہلکے نیلگوں رنگ کے جھاگ نکل رہے ہیں۔

"او ہو! اسے تو کسی بہت زہریلے ناگ نے ڈس لیا ہے "ـــــ میں نے محمود سے کہا ـــــ

"سانپ کے تیز زہر کی یہی تاثیر ہوتی ہے کہ چہرہ نیلا پڑ جاتا ہے اور منہ سے جھاگ نکلنے لگتے ہیں۔"

"آدمی تو اونچی سوسائٹی کا معلوم ہوتا ہے۔" ـــــ محمود نے اس کے قیمتی لباس کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ـــــ "لیکن حیرت یہ ہے کہ یہ اکیلا ایسے خوفناک جنگل میں کیا لینے آیا تھا؟"

"معاملہ واقعی کافی پراسرار نظر آتا ہے" میں نے جواب دیا۔

"ذرا اس کی تلاشی تو لو۔ شاید پتہ چل سکے کہ یہ کون تھا" ـــــ محمود نے تجویز پیش کی۔

"ٹھہرو!" ـــــ میں نے کہا ـــــ "میں ذرا پہلے یہ دیکھنا چاہتا

ہوں کہ سانپ نے اس کے کس جگہ کاٹا ہے ـــــــ کیونکہ اس وقت تک مجھے اس کے جسم پر کوئی زخم کا نشان نظر نہیں آیا ـ "

اُونہہ ـــــــــ " محمود نے کچھ بیزار سا ہو کر کہا ـ

" جہاں سانپوں یا زہروں کا معاملہ آیا ـ اور تمہاری رگِ تحقیق پھڑکی ـــ "

میں نے محمود کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور مردہ شخص کے جسم کو بغور دیکھنے لگا ـــــــ اس شخص کی عمر زیادہ سے زیادہ تیس برس کی ہوگی ۔ اچھا صحت مند اور خوبصورت نوجوان نظر آتا تھا ـــــــ اس نے آدھی آستین کی نیو تراش کی بش شرٹ پہن رکھی تھی ـــــــ

ذرا سی دیر میں میں نے اس کے جسم کے تمام کھلے ہوئے حصے دیکھ لئے ۔ لیکن کسی جگہ بھی مجھے ذرا سا بھی کوئی زخم یا نشان نظر نہ آیا ۔ جس سے سمجھ لیا جاتا کہ اُسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہے ۔

" اس کے جسم پر تو کوئی نشان نظر آتا نہیں ـــــــ " میں نے محمود سے کہا :ـ

" خیر چھوڑو تم اس کی تلاشی لو " محمود نے جواب دیا ۔

میں نے اس کی تلاشی لینے کے لئے اس کا بایاں ہاتھ جیب کے پاس سے ہٹا کر سر کی طرف رکھ دیا ـــــــ اس کا جسم بالکل ملائم تھا جسم کے معنی یہ تھے کہ اُسے مرے ہوئے دس پندرہ منٹ سے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا ـــــــ اور وہ چیخ جو ہم نے سنی تھی یقیناً اسی کی تھی ـــــــ

جیب کی تلاشی لینے کے بعد صرف ایک قیمتی سگریٹ کیس اور ایک لائیٹر ملا ۔ اسی طرح جیب میں اس کا دوسرا ہاتھ اُٹھا کر سر کی طرف رکھ رہا تھا ـــــ تو اس

کے بازو پر سے بش شرٹ کی آستین ذرا سی سرک گئی۔ اور میں نے دیکھا کہ کہنی جوڑ سے دو انچ اوپر ایک بڑا سا زخم موجود ہے ۔ میں نے جلدی سے اس کا بازو اپنی جانب کھینچ لیا اور بغور دیکھنے لگا ـــــــ لیکن زخم کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد خوف و دہشت کے مارے میرے منہ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی۔

"کیا ہے ؟" ـــــــ محمود نے جلدی سے میرے شانے پر جھکتے ہوئے پوچھا ـــــ

"یہ دیکھو ۔" میں نے اس شخص کے بازو پر بنے ہوئے زخم کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ۔ جس سے نیلے رنگ کا پانی سا رس رہا تھا ۔

"ارے ۔" ـــــ محمود نے چونک کر کہا ـــــ "تم تو کہتے تھے اسے کسی سانپ نے ڈس لیا ہے ۔ لیکن یہ نشان تو سانپ کے کاٹنے کا نہیں ہو سکتا ـــــ "

"بالکل نہیں ـــــ سانپ کے کاٹنے کا ایسا نشان ہو ہی نہیں سکتا" ـــــــ میں نے محمود کی تائید کی ۔

"پھر کس چیز کے کاٹنے کا نشان ہو سکتا ہے یہ ؟" اس نے کہا ـــــ "دیکھتے نہیں زخم کے دونوں جانب دانتوں کے صاف نشان نظر آ رہے ہیں ۔ جیسے کسی انسان نے غصہ میں آکر کاٹا ہو ۔"

"یہی تو سخت حیرت کی بات ہے ـــــ نشان بالکل اسی طرح کا ہے جس طرح آدمی کے کاٹنے سے پوری بتیسی ابھر آتی ہے ـــــ لیکن کوئی چوتھا آدمی یہاں نظر نہیں آتا ۔ اس کے علاوہ آدمی کے کاٹنے سے آدمی کبھی نہیں مرتا ۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ کسی جنگلی جانور نے کاٹا ہو ۔" ـــــ محمود نے رائے ظاہر کی ۔

جنگلی جانور کاٹتا تو پوری بوٹی اتار لیتا ـــــــ حالانکہ یہاں صرف دانتوں کے نشان ہیں ـــــــ پھر زخم سے نیلے پانی کا رسنا اس بات کا صاف ثبوت ہے کہ کاٹنے والا جانور یا جو کچھ بھی ہو بہت سخت زہریلا تھا ـــــــ جس نے اس بے گناہ کو زیادہ سے زیادہ ایک منٹ کے عرصہ میں ختم کر دیا ہوگا ـــــــ"

"ایک منٹ کے عرصہ میں"۔ محمود نے حیرت زدہ ہو کر پوچھا۔

"ہاں صرف ایک منٹ کے عرصہ میں ـــــــ کیونکہ اگر یہ زیادہ عرصہ زندہ رہتا تو ہمیں اس کی دوسری چیخ بھی سنائی دیتی ـــــــ برخلاف اس کے یہ بے چارہ صرف ایک مرتبہ چیخ مار سکا، اور پھر بیہوش ہو کر گر پڑا ـــــــ اور ایک منٹ میں یا اس سے بھی قلیل عرصے میں ختم ہو گیا ـــ"

"استدلال تو واقعی خوب ہے ـــــــ لیکن اُسے کاٹا کس چیز نے اور یہ زخم کا نشان کیسا ہے ـــ ؟"

"یہی تو حل طلب معمہ ہے ـــــــ یہ طے ہے کہ یہ زخم سانپ کے کاٹنے کا نہیں ہے ـــــــ"

"اچھا اب تم پتلون کی جیبوں کو اور دیکھ لو۔ شاید اس بدنصیب کا پتہ چل جائے۔ اور ہم اس کے گھر خبر پہنچا سکیں۔" ـــــــ محمود نے کہا۔ اور میں نے اس کی پینٹ کی جیبوں کی تلاشی لینی شروع کر دی ـــ لیکن جیبیں سب خالی تھیں ـــــــ یعنی اس کی پوری تلاشی میں صرف ایک سگریٹ کیس اور ایک لائیٹر کے علاوہ کچھ نہیں نکلا ـــــــ

"اور تو کچھ بھی نہیں اس کی جیبوں میں ـ" ـــــــ میں نے مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر کہا ـــــــ

"اور اس کے معنی یہ ہوئے۔ کہ یہ شخص ایسے خوفناک جنگل میں شکار کی غرض سے نہیں آیا تھا۔ بلکہ کسی اور ہی خاص کام سے آیا ہوگا۔ جو اس نے ایسے پُرخطر مقام پر اپنی حفاظت کے لئے ایک چاقو لانا بھی مناسب نہیں سمجھا۔"

"حالات تو یہی ظاہر کرتے ہیں"۔۔۔۔ میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔۔۔

"اور یہ بھی کہ یہ شخص یہاں کے راستوں اور یہاں کے مقامات سے بخوبی واقف ہوگا۔ کیونکہ رات کے وقت سادے لباس میں بغیر کسی حفاظتی تدبیر کے اس جگہ آنا معمولی بات نہیں"۔۔۔۔

"یہاں ۔۔۔ بخیر چھوڑ ۔۔۔ آؤ ہم اپنے لئے تو راستہ تلاش کر لیں ۔۔۔ کبھی اس بدنصیب کی طرح ہم بھی کسی درندے کا شکار ۔۔۔ ہو جائیں"۔۔

"چلو"۔۔۔ میں بھی اُٹھ کھڑا ہُوا۔۔۔ لیکن جب چلنے لگے تو مجھے مردہ شخص کے پیروں کے قریب ٹارچ کی روشنی میں جگمگاتی ہوئی کوئی چیز محسوس ہوئی۔۔۔

میں نے جھک کر دیکھا۔ تو وہ ایک بڑا سا نگینہ تھا۔ نگینہ کی تیز چمک بتا رہی تھی کہ وہ ہیرے کا ہے ۔۔۔ میں نے وہ محمود کو دکھاتے ہوئے کہا۔۔۔
"دیکھنا کس قدر چمک رہا ہے ۔۔۔ بالکل ہیرے کا معلوم ہوتا ہے ۔۔۔"

"ہے ہی ہیرے کا ۔۔۔ معلوم ہونا کیا معنی"۔۔۔ اس نے نگینہ کو اِدھر اُدھر سے دیکھ کر کہا ۔۔۔ "لیکن یہ یہاں کیسے آیا ۔۔۔؟"
"کیا خبر ۔۔۔ یہاں پڑا تھا۔ اس شخص کے پیروں کے قریب ۔۔۔

"تب تو یہ بات صاف ظاہر کرتی ہے کہ اس شخص کے ساتھ کوئی اور بھی تھا ۔ جس کی انگوٹھی سے یہ نگینہ گر پڑا ہوگا"۔۔۔۔۔۔ اور اب میں یہاں تک کہہ سکتا ہوں کہ قریب ہی کوئی آبادی ضرور ہے جہاں پہنچکر ہم اپنے گھر آسانی سے پہنچ سکتے ہیں"۔۔۔۔۔۔

"ہوسکتا ہے تمہارا اندازہ درست ہو ۔۔۔۔۔۔ لیکن کیا اس شخص نے کوئی انگوٹھی نہیں پہن رکھی ۔۔۔۔۔۔"؟

"نہ ۔۔۔۔۔۔ دیکھ لو"۔۔۔۔۔۔ محمود نے مردہ شخص کے دونوں ہاتھوں کی جانب اشارہ کر کے کہا ۔۔۔۔۔۔

"ہاں اس کے ہاتھ تو خالی ہیں ۔۔۔۔۔۔ یقیناً تمہارا اندازہ درست ہے کہ کوئی دوسرا آدمی بھی اس کے ساتھ ضرور ہوگا ۔۔۔۔۔۔ لیکن اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کہاں گیا ۔۔۔۔۔۔؟"

"بس یہی تو اس بات کا ثبوت ہے کہ ضرور قریب میں کہیں آبادی ہے ۔ وہ نامعلوم شخص اپنے ساتھی کو مرتا ہُوا دیکھ کر اسے چھوڑ کر بھاگ گیا ہوگا"۔

"خیال تو ٹھیک ہے ۔۔۔۔۔۔ لیکن اب ہمیں کیا کرنا چاہئیے"۔۔۔۔۔۔؟ میں نے اس سے سوال کیا۔

"ہمیں"۔۔۔۔۔۔ اس نے کچھ سوچکر کہا ۔۔۔۔۔۔ "میرا خیال ہے پہلے ہمیں کوئی بہت اُونچا درخت تلاش کرنا چاہئیے ۔۔۔۔۔۔ پھر اس درخت پر چڑھ کر ہم بہ آسانی دیکھ سکتے ہیں کہ واقعی کوئی آبادی اس خوفناک جگہ سے قریب ہے یا یہ صرف ہمارا اندازہ ہی ہے"۔۔۔۔۔۔

"بھئی محمود! تجویز نہایت معقول ہے ۔۔۔۔۔۔ کبھی کبھی تو تم بھی سمجھداری کی بات کر جاتے ہو"۔۔۔۔۔۔ میں نے ذرا مذاحیہ انداز میں کہا ۔۔۔۔۔۔

کیونکہ تجویز واقعی بہت اچھی تھی ـــــ اور کچھ امید سی بندھ چلی تھی کہ شاید اب ہم راستہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے ـــــ

کافی جدوجہد کے بعد ایک بہت اونچا درخت تلاش کیا گیا ـــــ

"لو رائفل سنبھالو۔ میں اوپر چڑھتا ہوں" ـــــ میں نے اپنی رائفل محمود کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا ـــــ

"کیا تم درخت پر چڑھنا جانتے ہو ـــــ ؟" اس نے سوال کیا ـــــ

"جانتا تو نہیں۔ لیکن کوشش کر کے دیکھتا ہوں۔ مصیبت کے وقت تو ہر کام کرنا ہی پڑتا ہے" ـــــ

"پھر تم ٹھہرو" ـــــ اس نے کہا ـــــ "میں اوپر چڑھتا ہوں۔ کیونکہ میں بچپن میں درختوں پر چڑھنے کی پریکٹس کر چکا ہوں"

"واقعی" ـــــ ؟ میں نے پوچھا ـــــ

"ہاتھ کنگن کو آرسی کیا ہے ـــــ اب دیکھ لینا کیسی پھرتی کے ساتھ چڑھتا ہوں ـــــ لو یہ میری رائفل سنبھالو۔ اور ٹارچ مجھے دے دو" ـــــ

میں نے اس کی رائفل سنبھال لی۔ اور ٹارچ اسے دے دی۔ اور وہ واقعی بندر کی طرح بڑی تیزی سے درخت پر چڑھ گیا ـــــ ٹارچ کا ہینڈل اس نے دانتوں میں دبا لیا تھا۔ اور ہاتھوں پیروں کی مدد سے اچکتا ہوا وہ درخت کی چوٹی پر پہنچ گیا ـــــ

دو تین منٹ تک وہ بغور ادھر ادھر دیکھتا رہا ـــــ ٹارچ روشن کر کے چاروں طرف اس کی روشنی پھینکتا رہا ـــــ آخر کچھ دیر کے بعد نیچے اتر آیا ـــــ

"کچھ نظر آیا" ـــــ ؟ میں نے اس کے نیچے قدم رکھتے ہی بے تابی

سے پوچھا ــــــ

"یار! بڑی عجیب بات ہے" ــــــ؟ اس نے اپنے کپڑے درست کرتے ہوئے کہا۔ جو درخت پر چڑھنے سے کئی جگہ سے پھٹ سے گئے تھے ــــــ

"کیا" ــــــ؟ میں نے پُراشتیاق لہجہ میں کہا ــــــ

"آبادی کا تو کہیں دُور دُور تک نام و نشان نہیں" ــــــ اس نے جواب دیا ــــــ "البتہ یہاں سے تقریباً دو فرلانگ کے فاصلے پر سے ایک ایسی روشنی نظر آ رہی ہے۔ جیسی عموماً رات کو کسی مکان کی کھڑکیوں سے چھن چھن کر نکلتی ہے" ــــــ

"مکان کی کھڑکیوں سے" ــــــ؟ میں نے متعجب ہو کر کہا ــــــ

"ہاں ــــــ مجھے یقین ہے کہ وہ ضرور کسی مکان کی کھڑکیوں سے آنے والی روشنی ہے" ــــــ

"لیکن ایسے خوفناک جنگل میں کسی نے مکان بنوایا ہو گا ــــــ اور کون یہاں رہتا ہو گا" ــــــ

بہر حال کچھ بھی ہو۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مکان موجود ہے۔ اور اس سے نکلتی ہوئی روشنی اس بات کا ثبوت ہے کہ اس میں کوئی رہتا بھی ضرور ہے ــــــ پھر اس کے علاوہ کیا ہم نے ابھی ایک آدمی ــــــ ایک غیر مسلح آدمی کو اسی خوفناک جنگل میں مُردہ نہیں پایا ــــــ کیا یہ اس بات کا کھلا ثبوت نہیں۔ کہ وہ بھی اس مکان سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا ہو گا ــــــ

"پھر اب کیا کیا جائے" ــــــ؟ میں نے اس سے متفکر لہجے میں پوچھا۔

"اس مکان تک پہنچنا چاہیئے" ــــــ محمود نے جواب دیا ــــــ

"اوّل تو وہاں پہنچ کر ہمیں ان بھول بھلیاں سے نکل جانے کا راستہ معلوم ہو

جائیگا ــــــ اور اگر راستہ نہ بھی معلوم ہُوا۔ تو رات گذارنے کا سہارا ضرور مل جائے گا"ــــ

"لیکن یہ کیا پتہ کہ اس مکان میں کون رہتا ہے"ــــ میں نے اندیشہ ظاہر کیا ــــ

"ہو سکتا ہے اس میں ڈاکو رہتے ہوں ــــ یا اور کسی قسم کے جرائم پیشہ لوگ رہتے ہوں۔ جو ہمیں امداد دینے کے بجائے نقصان پہنچانے کے درپے ہو جائیں ــــ اگر ایسا ہُوا۔ تو پھر کیا ہوگا؟ ــــ ہم کسی مصیبت میں گھر گئے۔ تو ایسی بھیانک جگہ کس کو امداد کے لئے بلائیں گے"ــــ

"جانِ من"ــــ محمود نے میری کمر میں ایک دھول جماتے ہوئے کہا۔ ــ"جب تک یہاں کھڑے ہوئے اندیشے ظاہر کرتے رہو گے خطرات "ہوّا" بن بن کر تمہیں ڈراتے رہیں گے ــــ اور سچ مچ خطرات تمہارے مقابل آجائیں گے۔ تو یہ تمام خوف دہراس دُور ہو جائے گا ــــ چلو چلتے ہیں ــــ دیکھا جائیگا جو ہوگا ــــ ہمیں اپنی رائفلوں پر بھروسہ رکھنا چاہئے"ــــ

یہ کہہ کر محمود شمال اور جنوب کے کونے کی سمت چل پڑا۔ جدھر اس نے مکان کی جائے وقوع کا اشارہ کیا تھا ــــ میرے دل میں سینکڑوں وہم اور خدشات پیدا ہو رہے تھے۔ لیکن محمود کو چلتا ہُوا دیکھ کر مجبوراً مجھے بھی اس کی تقلید کرنی پڑی ــــ اور پھر اس کے علاوہ چارہ کار بھی تو نہ تھا۔ ــــ اس جنگل میں کسی درخت پر رات گذارنے سے تو یہی بہتر تھا کہ اس پُر اسرار مکان کی پناہ لی جائے ــــ لیکن کاش ہم اس رات اس مکان میں پناہ لینے کی بجائے کسی درخت پر ہی گذارہ کر لیتے ــــ

ہمیں کیا معلوم تھا کہ بظاہر اس سادے سے مکان میں تقدیر نے ہمارے لئے کیا کیا اُلجھنیں اور حادثات چھپا کے رکھے ہوئے ہیں ——— کاش ——— خیر چھوڑیئے آپ اس اُلجھن میں کیوں پڑتے ہیں۔ آئندہ آپ کو خود بخود سب کچھ معلوم ہو ہی جائے گا ———

باب ۲

پُراسرار لڑکی

تقریباً ایک گھنٹہ ہم اِدھر اُدھر جھاڑیوں میں اُلجھتے اور تناور درختوں سے سر ٹکراتے پھرے۔ لیکن محمود کے بتائے ہوئے اس مکان کا راستہ نہ ملا ــــــ آخر تھک کر میں نے اس سے پُوچھا ــــــ

"تم کہہ رہے تھے۔ کہ دو فرلانگ کے فاصلے پر مکان ہے اور ہم قریب قریب دو میل کا چکر کاٹ چکے ہیں۔ لیکن تمہارا وہ مکان نہ ملا" ــــــ

"میں خود حیران ہُوں" ــــــ محمود نے رکتے ہوئے جواب دیا ــــــ "چاروں طرف اچھی طرح دیکھ چکے۔ اب فقط ہمارے سامنے یہ خاردار جھاڑیوں کا علاقہ ہے۔ جس میں میرا خیال ہے کافی دور تک ایسی ہی جھاڑیوں پھیلی ہوئی ہونگی ــــــ اوّل تو ان میں سے ہمارا گزرنا ناممکن ہے ــــــ دس گز چلنے کے بعد ہی ہم لہو لہان ہوکر گر پڑینگے ــــــ اور کیا تعجب کہ وہیں دم توڑ دیں۔ کیونکہ ایسے جنگلوں میں بعض جھاڑیاں زہریلی بھی ہوتی ہیں ــــــ

جیسے کانٹے کسی زہریلے سانپ کے دانتوں سے کم نہیں ہوتے ــــــ دوسرے ان جھاڑیوں کے درمیان وہ مکان ہو۔ اسے عقل تسلیم نہیں کرتی ــــــ

"خیال تو میرا بھی یہی ہے" ــــــ میں نے جواب دیا ــــــ "لیکن جب تم نے وہ مکان دیکھا تھا وہ آخر وہ کہاں گیا۔ ہم تقریباً ایک میل مربع کا علاقہ پوری طرح چھان چکے ہیں ــــــ کہیں ایسا تو نہیں کہ تمہیں کوئی غلط فہمی ہوگئی ہو" ــــــ

"غلط فہمی! ــــــ؟ ــــــ بالکل غلط ــــــ! میں نے اپنی آنکھوں سے اس مکان کی کھڑکیوں سے روشنی چھنتے ہوئے دیکھی تھی غلط فہمی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا" ــــــ

"پھر تو آخری صورت اب یہی باقی رہ جاتی ہے کہ کوئی اونچا سا درخت پھر تلاش کیا جائے اور دوبارہ اس مکان کو دیکھا جائے کہ کس طرف کو رہ گیا ہے" ــــــ میں نے رائے دی ــــــ

"ہاں یہ ٹھیک ہے" ــــــ محمود نے جواب دیا اور پھر ایک قدرے اونچے درخت کی جانب اشارہ کر کے کہا ــــــ "دیکھو یہ درخت بھی کافی اونچا ہے۔ میں اس پر چڑھ کر دیکھتا ہوں" ــــــ

یہ کہہ کر اس نے اپنی رائفل مجھے تھمادی اور ٹارچ لے کر درخت پر چڑھ گیا ــــــ ایک منٹ ادھر ادھر روشنی پھینکنے کے بعد ــــــ اس نے مجھے پکارا ــــــ

"اسلم! ــــــ ذرا تم بھی جلدی سے اوپر آجاؤ" ــــــ اس کے لہجے میں کچھ مسرت کا عنصر بھی شامل تھا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ مکان ضرور کہیں قریب میں ہی ہوگا ــــــ میں نے دونوں رائفلیں درخت سے لگا کر تم

دیں ـــــــ اور بڑی مشکل سے درخت پر چڑھنے کی کوشش کرنے لگا ـــــ
محمود مجھے بار بار پھسلتے ہوئے دیکھ کر تھوڑا سا نیچے اتر آیا اور میرا ہاتھ پکڑ کر اوپر کھینچ لیا ـــــــ اوپر ایک موٹی سی شاخ کا سہارا لینے کے بعد میں آسانی سے درخت کی چوٹی پر پہنچ گیا ـــــ

اور وہاں پہنچ کر پہلی مرتبہ میں نے دیکھا کہ ان خاردار جھاڑیوں کا سلسلہ تقریباً نصف مربع میل میں پھیلا ہوا ہے ـــــــ اور ان خاردار جھاڑیوں کے درمیان کسی مکان کا تاریک سایہ بڑے سکوت کے ساتھ کھڑا ہوا ہے جس کی کھڑکیوں سے روشنی چھن چھن کر ان بڑی بڑی جھاڑیوں کو زیادہ تاریک بنا رہی ہے ـــــــ

"مکان تو واقعی ہے" ـــــــ میں نے محمود سے سرگوشی کے انداز میں کہا ـــــــ

"ہاں ـــــ لیکن ان جھاڑیوں سے گزر کر اس مکان تک کیسے پہنچا جائے ؟" ـــــ

میں نے جواب دیا کہ "اگر اس مکان میں کوئی رہتا ہے ـــــ تو ضرور ان جھاڑیوں میں سے گزرنے کا کوئی نہ کوئی راستہ بھی ہوگا ـــــ جو اندھیرا ہونے کے باعث ہمیں نظر نہیں آ رہا" ـــــ

"میں نے تو ٹارچ کی روشنی بھی چاروں طرف ڈال کر دیکھ لی لیکن کوئی راستہ نظر نہیں آتا" ـــــ

"مگر دور تک پھیلی ہوئی ان جھاڑیوں کے درمیان یہ مکان بنا ہوا ہے تو کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا" ـــــ

"ہوں!" ـــــ محمود نے جواب دیا ـــــ "اسی لئے تو میں

سر ٹکرانے کے باوجود راستہ نہیں ملا“ ـــــــ

”ایک خیال میرے دل میں آیا ہے“ ـــــــ میں نے کچھ سوچ کر محمود سے کہا ـــــــ

”کیا“ ـــــــ ؟ محمود نے بے تابی سے پوچھا ـــــــ

”وہ مردہ شخص ـــــــ جسے ابھی ہم نے اس پگ ڈنڈی کے قریب مردہ پایا تھا ـــــــ وہ اگر اسی مکان سے تعلق رکھتا ہو گا۔ تو اس جگہ سے یہ مکان قریب ہو گا اور وہیں سے کوئی نہ کوئی راستہ اس مکان کو ضرور جاتا ہو گا“ ـــــــ

”بھئی اسلم! خوب یاد دلایا“ ـــــــ محمود نے میری کمر تھپکتے ہوئے کہا ـــــــ ”اب مجھے بھی یاد آگیا ـــــــ دراصل یہ پگ ڈنڈی کا راستہ ایسی ہی جھاڑیوں کے آجانے سے بند ہو گیا ضرور وہیں کہیں سے راستہ ہو گا۔ ہمیں اس مردہ شخص کی لاش کو مرکز بنا کر وہیں سے راستہ تلاش کرنے کی جدوجہد کرنی چاہئیے“ ـــــــ

”چلو پھر“ ـــــــ میں نے کہا ـــــــ اور ہم دونوں نیچے اُتر آئے“ ـــــــ

تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ پگ ڈنڈی کا راستہ مل گیا ـــــــ لاش ابھی تک اسی حالت میں پڑی تھی۔ لیکن ٹارچ کی تیز روشنی میں میں نے محسوس کیا کہ اب اس کے جسم کا رنگ کچھ زیادہ نیلا سا ہو گیا تھا ـــــــ

”اب کس طرف چلنا چاہئیے“ ـــــــ ؟ میں نے لاش کے سرہانے کھڑے ہوئے محمود سے پوچھا ـــــــ

میرا خیال ہے۔ پگ ڈنڈی سے ہٹ کر جھاڑیوں کے بالکل قریب قریب

ہمیں شمال و جنوب کی جانب چلنا چاہئے"۔ ــــــــ اس نے جواب دیا۔
"تو چلو"۔ ــــــــ میں ٹارچ کی روشنی اپنے سامنے ڈالتے ہوئے رائفل اچھی طرح سنبھال کر محمود کی بتائی ہوئی سمت پر چل پڑا۔ محمود نے بھی میری تقلید کی ــــــــ

نہایت سکوت کے ساتھ کچھ دور تک ہم دونوں آگے پیچھے چلتے رہے۔ خشک پتوں کی کھڑکھڑاہٹ بھی اس وقت خاموشی میں بڑی عجیب اور فرحت انگیز معلوم ہو رہی تھی ــــــــ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے ہمارے چاروں طرف ایک پراسرار طلسم چھایا ہوا ہے اور ہم طلسم کشاؤں کی طرح فاتحانہ رائفلیں سنبھالے اپنی منزلِ مقصود کی جانب بڑھتے چلے جا رہے ہوں ــــــــ
"ٹھہرنا"۔ ــــــــ یکایک محمود کی ہلکی سی آواز خاموشی کو چیرتی ہوئی دور تک درختوں میں لہراتی ہوئی چلی گئی۔
"کیا ہے"؟ ــــــــ میں رک گیا ــــــــ
"ادھر دیکھو"۔ ــــــــ محمود نے ایک جانب اشارہ کیا ــــــــ
میں نے ٹارچ کی سفید روشنی پوری اس طرف ڈال کر دیکھا۔ تو پتہ چلا کہ جھاڑیوں کی اس باڑھ میں جس کے کنارے ہم چلے آ رہے تھے اندر گھسنے کے لئے ایک اتنا چھوٹا سا راستہ بنا ہوا ہے۔ جس میں سے ایک آدمی بیٹھ کر بمشکل گذر سکتا ہے ــــــــ
"کیا خیال ہے"؟ ــــــــ میں نے محمود سے پوچھا ــــــــ
"شاید یہی وہ راستہ ہے۔ جس کی ہمیں تلاش تھی"۔ ــــــــ اس نے جواب دیا ــــــــ
"کیا اس طرف چلا جائے"؟ ــــــــ میں نے سوال کیا ــــــــ

"ریلفیٹ"! ـــــ نہ چلنے کی کوئی وجہ نہیں" ـــــــــ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھا اور ہاتھوں اور گھٹنوں کے بل گھسٹتا ہوا دوسری جانب نکل گیا ـــــ میں نے بھی اسی کی طرح جھک کر اس چھوٹے سے راستے کو پار کر لیا ـــــ دوسری جانب پہنچ کر معلوم ہوا کہ سامنے کی جانب پھر وہی جھاڑیوں کا لامتناہی سلسلہ ہے ـــــ البتہ دائیں بازو کی جانب ایک پتلا سا راستہ سانپ کی مانند حرکت کرتا ہوا نظر ور کہیں پہنچ گیا ہے ـــــ محمود اور میں ایک دوسرے سے بغیر کچھ کہے سنے وہ اس راستے پر چل پڑے ـــــ

اور ہماری مسرت کی انتہا نہ رہی جب آٹھ دس موڑ گھوم کر تقریباً پندرہ منٹ بعد ہم نے اپنے آپ کو ایک مختصر لیکن بڑے شاندار مکان کے دروازے پر پایا ـــــ

"لو بھئی منزلِ مقصود تک آ پہنچے" ـــــ محمود نے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا ـــــ

"ہاں!" ـــــ میں نے جواب دیا ـــــ "لیکن دیکھئے اب پردہ غیب سے کیا ظہور میں آتا ہے" ـــــ یہ کہتے ہوئے میں نے دروازہ پر دستک دی ـــــ

دو تین بار دستک دینے کے بعد کسی دور افتادہ کمرے سے قدموں کی چاپ دروازے کے قریب آتی ہوئی محسوس ہوئی ـــــ محمود نے احتیاطاً رائفل میں کارتوس ڈال کر گھوڑا چڑھا لیا تاکہ خدانخواستہ کوئی مشکل آ پڑے تو ان فضول کاموں میں وقت ضائع نہ ہو ـــــ

ہم دونوں کا ہی یہ خیال تھا کہ کوئی نہایت مہیب شکل کا خونخوار شخص پستول یا اور کوئی ہتھیار سنبھالے دروازہ کھولنے آئیگا ـــــ اور

ہم دو اجنبیوں کو دیکھتے ہی پستول تان کر "ہینڈز اپ" کہے گا ——

لیکن آپ ہماری حیرت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب دروازہ کھلنے کے بعد ہم نے دیکھا کہ ایک نہایت حسین و جمیل دوشیزہ اپنے بیش قیمت لباس میں ملبوس ہمارے سامنے کھڑی ہے ——— جو شکل و صورت اور وضع قطع کے لحاظ سے یقیناً اس گھر کی ملازمہ نہیں تھی ——

اور اس لڑکی کو دیکھ کر جس قدر حیرت زدہ ہم تھے۔ اسی قدر وہ بھی ہمیں دیکھ کر متحیر معلوم ہوتی تھی۔ دروازہ کھولنے کے بعد اس کے منہ سے صرف ایک مرتبہ "اوہ" نکلا اور وہ حیران و پریشان بت بن کر رہ گئی —— آگے چونکہ میں تھا۔ اس لئے اس کی نگاہیں میرے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ اور وہ دروازہ کا ہینڈل تھامے اس طرح ساکت کھڑی تھی جیسے کسی چابکدست مصور نے تصویر کھینچ دی ہو ——

میں نے اس کا جائزہ لیا۔ وہ درمیانہ قد اور چھریرے بدن کی ایک غائت درجہ دلکش لڑکی تھی —— اس کے جسم کا ہر حصہ اپنی جگہ متناسب اور موزوں تھا —— سرخی مائل سفید رنگ تیکھے تیکھے نا مکمل سے نقش دائیں رخسار پر ایک نہایت ضروری تل —— سرخ یاقوت کی مانند ہونٹ۔ —— اور گہرے سیاہ رنگ کے پر پیچ بال جو دو چوٹیوں کی شکل میں اس دونوں شانوں پر سے ہوتے ہوئے گداز سینے پر لہرا رہے تھے۔

لیکن ان تمام چیزوں کا ایک نظر میں جائزہ لینے کے بعد جب ایک بار میں نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالیں —— تو یک لخت مجھے اپنے سارے جسم میں ایک جھٹکا سا محسوس ہوا۔ جیسے کسی نے بجلی کا کرنٹ میرے جسم سے چھوا دیا ہو۔ ——

وہ دو آنکھیں ۔۔۔ وہ دو شعلہ فشاں آنکھیں ۔۔۔ وہ دو
خوفناک لیکن نہایت حسین آنکھیں ۔۔۔ میری رگ رگ کو چیرتی ہوئی میرے
سراپا میں سما گئیں ۔۔۔ اور مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے چنگاریاں سی اڑتی
ہوئی محسوس ہونے لگیں ۔۔۔

آپ یقین کیجئے۔ اگر میں پوری کتاب بھی ان دو برق پاش آنکھوں کی
تفصیل و تعریف میں ختم کر دوں، تو اپنا پورا مقصد بیان نہیں کر سکتا ۔۔۔
بس مختصر یہ سمجھ لیجئے کہ ۔۔۔ وہ دو آنکھیں نہایت حسین تھیں ۔۔۔
نہایت خطرناک تھیں ۔۔۔ نہایت زہریلی تھیں ۔۔۔ اور نہایت
پُراسرار تھیں ۔۔۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مسحور کرنے والی ایسی خوفناک آنکھیں تین سال
پیشتر میں نے ایک نہایت مہلک اور خوفناک سہارا نامی افریقی سانپ کی دیکھی تھیں۔
جس کے مالک انگریز ڈاکٹر نے مجھے بتایا تھا کہ اگر یہ سانپ تین مرتبہ آپ کے
منہ سے ملا کر اپنا سانس آپ کے جسم میں داخل کر دے تو آپ پانچ سیکنڈ کے
عرصہ میں ختم ہو جائیں گے ۔۔۔ اور اگر یہ آپ کو ڈس لے تو ایک گھنٹہ
کے اندر اندر آپ کا جسم گل کر پانی کی طرح بہ جائے گا ۔۔۔ صرف آپ
کی ہڈیوں کا ڈھانچہ پڑا رہ جائے گا ۔۔۔

ان نے مجھے بتایا تھا کہ سانپوں کی تلاش کے سلسلے میں اس سے مہلک
سانپ آج تک تلاش نہیں کیا گیا ۔۔۔ اور اس تلاش کا سہرا ابھی صرف میرے
ہی سر ہے ۔۔۔ اور واقعی جب اس نے تجربہ کے طور پر مجھے دکھانے
کے لیئے ایک زندہ خرگوش کو ٹانگوں سے پکڑ کر اس سانپ کے پھن سے خرگوش
کا منہ لگایا، تو میں نے دیکھا کہ خرگوش کے پورے جسم میں صرف ایک مرتبہ ایک

کپکپی محسوس ہوئی اور اس کے بعد وہ بے جان تھا۔

بعد میں جب ہم نے خرگوش کا پوسٹ مارٹم کیا۔ تو اس کے خون میں زہر یلے ذرات بکثرت ملے جلے پائے ــــــ جو اس مختصر سے عرصہ میں ہی اس کے خون میں شامل ہو کر اس کے پورے جسم میں تیر گئے تھے ــــــ

چنانچہ اس وقت بھی اس لڑکی کی دلکش آنکھوں کی وہ خونناک چمک دیکھ کر مجھے اسی سانپ کی آنکھیں یاد آ گئی تھیں ــــــ

محمود نے ہمیں ایک دوسرے کی جانب اس طرح گھورتے ہوئے دیکھ کر ذرا آگے بڑھ کر کہا ــــــ

"محترمہ!" ــــــ محمود کی آواز سن کر ہم دونوں اس طرح چونک پڑے جیسے خواب سے بیدار ہو گئے ہوں ــــــ

"محترمہ!" ــــــ محمود نے دوبارہ اسے مخاطب کر کے اپنی گفتگو جاری رکھتے ہوئے کہا ــــــ

"میں اور میرے دوست ڈاکٹر اسلم صبح شکار کھیلنے اس جنگل میں آئے تھے لیکن بد قسمتی سے ہم راستہ بھول گئے ہیں ــــــ کئی گھنٹے مسلسل ہمیں راستہ تلاش کرنے میں گذر چکے ہیں۔ لیکن راستہ نہیں ملتا ــــــ کیا آپ اس اندھیری اور خونناک رات میں ہمیں اپنے مکان میں پناہ دینے کی نوازش فرمائیں گی ــــــ ؟ تاکہ ہم اس بھیانک جنگل میں کسی درندے کے خونی پنجوں کا شکار ہو کر نہ رہ جائیں" ــــــ

لڑکی نے پوری بات بڑے غور سے سنی ــــــ اور اس کے بعد دروازہ کے راستہ سے ایک جانب ہٹتے ہوئے نہایت مترنم اور نہایت شستہ لہجہ میں کہا ــــــ

"تشریف لائیے"۔۔۔۔۔

میں نے دھڑکتے ہوئے دل اور پراگندہ حواس کے ساتھ اندر کمرہ میں قدم رکھا۔۔۔۔ خدا جانے محمود کے دل کا اس وقت کیا عالم ہو گا۔۔۔۔ لیکن مجھے اس بات کا اعتراف ہے کہ میں اس وقت بہت زیادہ خوف زدہ اور نروس سا ہو گیا تھا۔ جیسے اس لڑکی نے مجھ پر ہپناٹزم کر کے اپنا معمول بنا لیا ہو۔۔۔۔ ایک نامعلوم دہشت سی مجھے اپنے اندر کروٹیں لیتی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔۔ جیسے وہ پُراسرار لڑکی ہمیں کسی قربان گاہ پر بھینٹ چڑھانے کے لئے دھوکا دے کر لے جا رہی ہو۔۔۔۔ لیکن ان تمام وسوسوں اور اندیشوں کے باوجود ہم۔۔۔۔ یا کم از کم میں مجبور تھا کہ اس حسین ساحرہ کے ہر حکم پر بے چون و چرا عمل کرتا جاؤں۔۔۔۔

یہ پہلا کمرہ جس میں ہم داخل ہوئے غالباً ڈرائنگ روم تھا۔۔۔۔ کمرہ کی نفاست بتا رہی تھی کہ مالکان کافی سلیقہ مند اور مالدار ہیں۔۔۔۔ صوفے سیٹ۔ میزیں۔ پردے۔ فرش۔ غرض ہر چیز قیمتی تھی اور بڑی ترتیب سے اپنی مخصوص جگہ پر فِٹ تھی۔۔۔۔ کمرہ کے وسط میں پہنچنے کے بعد لڑکی نے ایک دوسرے کمرے کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔۔۔۔

"اس طرف تشریف لے آئیں"۔۔۔۔

ہم دونوں بغیر کچھ کہے سُنے۔۔۔۔ دوسرے کمرے میں داخل ہو گئے۔۔۔۔ یہ کمرہ پہلے کمرے سے بڑا تھا اور ذرا زیادہ خوبصورتی کے ساتھ سجایا گیا تھا۔

اس کمرہ کا سرسری سا جائزہ لینے کے بعد پہلی مرتبہ میرے دل کو کچھ اطمینان سا ہوا کہ ہم کسی ڈاکو کے مکان میں پناہ گزین نہیں ہوئے۔۔۔۔ بلکہ نابً

کسی ڈاکٹر کے مہمان ہوئے ہیں ـــــ۔

مالک مکان کے متعلق ڈاکٹر ہونے کا اندازہ میں نے اس طرح لگایا۔ کہ اس دوسرے کمرے کی دیواروں پر آٹھ دس تصویریں آویزاں تھیں۔ ان میں سے ایک تو اُسی پُراسرار ساحرہ کی تھی۔ جو اس وقت ہمارے سامنے مجسّم موجود تھی ـــــ اور ایک اور کسی بوڑھے سے شخص کی تھی۔ جو غالباً اس لڑکی کے باپ یعنی مالک مکان کی ہوگی۔ اور باقی تمام تصاویر دُنیا کے ان مشہور مشہور ڈاکٹروں کی تھیں۔ جنھوں نے بڑے بڑے کارہائے نمایاں انجام دیئے ہیں۔ ـــــ ان میں سے بیشتر ڈاکٹر دنیا کے لئے زہروں سے متعلق بڑی بڑی حیرت انگیز معلومات فراہم کر چکے تھے ـــــ کئی ڈاکٹر کچھ نئے زہروں کے موجد تھے ـــــ چونکہ میں خود ایک ڈاکٹر تھا اور زہروں کے متعلق معلومات اور تجربات حاصل کرنا میرا محبوب مشغلہ تھا۔ اس لئے ان تمام ڈاکٹروں کی مفصّل اور پوری سوانح حیات سے بخوبی واقف تھا ـــــ

"تشریف رکھئے!" ـــــ یکا یک لڑکی کی مترنم آواز میری سماعت پر لہرائی۔ اور میں فوراً جیسے عالمِ خیال سے عالمِ وجود میں آگیا ـــــ ـــــ ہمارے متوجہ ہونے پر اُس نے صوفہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا "آپ لوگ تشریف رکھیں۔ میں پاپا کو آپ کی آمد کی اطلاع کردوں ـــــ"

"بہت بہتر" ـــــ ہم دونوں نے بیک وقت کہا اور صوفہ پر بیٹھ گئے ـــــ

اس نے مسکرا کر ایک غلط انداز نگاہ میرے چہرے پر ڈالی اور جلدی سے ایک دروازہ میں داخل ہوگئی۔ جو ہمارے سامنے ہی تھا اور ایک تیرے

کمرے کو اس کمرے سے ملا تھا ـــــــ

اس کے چلے جانے کے بعد میں نے محمود سے سرگوشی کے لہجے میں کہا ـــ

"محمود یار! ـــــ عجیب معاملہ ہے ـــــ ایسا خوف ناک جنگل ـــــ ایسا پُراسرار مکان اور ایسی حسین لڑکی ـــــ کیا یہ تمام چیزیں تمہارے خیال سے حیرت انگیز نہیں" ـــــ ؟

"ہیں" ـــــ محمود نے اثبات میں سر ہلایا اور رائفل میں سے کارتوس نکال کر بیٹی میں لگاتے ہوئے کہنے لگا ـــــ "میں تم سے زیادہ متعجب ہوں ـــــ اور پھر تم نے دیکھا نہیں لڑکی کس قدر شائستہ اور تہذیب یافتہ معلوم ہوتی ہے" ـــــ

"یہی تو اور زیادہ حیرت انگیز بات ہے" ـــــ میں نے جواب دیا "تمہارا کیا خیال ہے۔ اس مکان اور اس کے مالک مکان کے متعلق" ؟ ـــــ محمود نے مجھ سے سوال کیا ـــــ

"میرا ـــــ ؟ میرا تو اندازہ یہ ہے کہ اس مکان کا مالک کوئی ڈاکٹر ہے۔ اور یہ حسینہ اسی ڈاکٹر کی لڑکی ہے ـــــ لیکن وہ یہاں آبادی سے دُور اس بھیانک جنگل میں کیوں رہتا ہے۔ اس کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

"لیکن تم نے یہ کیسے اندازہ لگایا۔ کہ یہ کسی ڈاکٹر کا مکان ہے۔"

میں نے دیواروں پر لگی ہوئی مشہور ڈاکٹروں کی تصویروں کی طرف اشارہ کر کے اُسے پوری بات سمجھائی۔ کہ میں کیوں اس مکان کے مالک کو ڈاکٹر سمجھنے لگا ہوں ـــــ میں نے اسے سمجھایا کہ ہر آدمی اپنے مکان میں اسی قسم کی تصویریں لگانا پسند کرتا ہے جس قسم کے اُس کے رجحانات ہوتے ہیں۔

چنانچہ اس مکان کے مالک کا مشہور ڈاکٹروں سے اس قدر اُنس صاف ظاہر کرتا ہے کہ وہ بھی ڈاکٹر ہے ——

" دلیل تو معقول ہے" —— اس نے تصویروں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا ——

" لیکن یقینی نہیں —— ہو سکتا ہے میرا اندازہ غلط بھی ہو"

" ہاں —— لیکن ذرا اس لڑکی سے بچے رہنا" —— محمود نے میرے پہلو میں ٹھوکا دیتے ہوئے کہا۔ —— " میں دیکھ رہا ہوں کہ اتنی سی ہی دیر میں وہ تم میں اور تم اس میں کافی دلچسپی لینے لگے ہو —— ایسی لڑکیاں ذرا خطرناک زیادہ ہوتی ہیں" ——

" ارے نہیں —— یار! تم بھی کہاں پہنچ گئے" —— میں نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھ کر تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ —— " میرے دل میں تو اس قسم کا خیال تک پیدا نہیں ہوا" ——

" لیکن خیال پیدا ہوتے ہی کتنی دیر لگتی ہے" —— ؟ میں نے تمہیں مستقبل کے لیے سمجھایا ہے" —— اس نے ہنس کر جواب دیا

" شکریہ!" —— میں نے کہا ——

میں محمود سے کچھ اور کہنا چاہتا تھا کہ سامنے والے دروازہ کا پردہ ہٹا اور وہ چھوٹے چھوٹے قدم رکھتی ہوئی ہمارے قریب آگئی ——

پاپا تو اس وقت اپنی لیبارٹری میں ہیں" —— اس نے اپنی جگمگاتی ہوئی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈالتے ہوئے کہا —— " آپ لوگوں کو کچھ دیر انتظار کرنا پڑے گا۔"

" لیبارٹری میں؟" —— ؟ ہم دونوں کے منہ سے بیک وقت کلمۂ استعجاب

نکلا اور محمود نے میرے پیر پہ پیر مار کر مجھے اشارہ کیا کہ واقعی تمہارا اندازہ بالکل درست ثابت ہوا ــــــ

"ہاں" ــــــ لڑکی نے ہماری حیرانگی کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ــــــ

"اگر آپ کی خواہش ہو۔ تو آپ لوگوں کے لئے چائے آسکتی ہے" ــــــ

"اگر بغیر کسی تکلیف کے چائے مل سکتی ہے تو ہم آپ کے بیحد مشکور ہونگے" ــــــ محمود نے بڑے پُر اخلاق لہجے میں کہا ــــــ

"نہیں کوئی تکلیف نہیں" ــــــ اُس نے مسکرا کر پھر میرے چہرے پر ایک نگاہِ غلط انداز ڈالی اور دیوار میں لگا ہُوا بجلی کی گھنٹی کا بٹن دبایا ــــــ مکان کے کسی دُور افتادہ حصّہ میں گھنٹی بجنے کی مدھم سی آواز سُنائی دی ــــــ گھنٹی بجا کر وہ پھر ہماری جانب متوجہ ہوئی ــــــ

"معاف کیجئے ــــــ تعارف ذرا نا مکمل سا رہا ــــــ ذرا ایک مرتبہ" ــــــ

"مجھے محمود کہتے ہیں" ــــــ محمود نے اس کی بات کاٹ کر جلدی سے کہا ــــــ

"یہ میرے دوست مسٹر اسلم ہیں۔ اتفاق سے ڈاکٹر بھی ہیں لیکن ڈاکٹری کو بطور پیشہ کبھی استعمال نہیں کرتے ــــــ صرف شوق فرماتے ہیں" ــــــ

"خوب!" اس نے مسکرا کر میری جانب دیکھا ــــــ "پھر تو پاپا کی اور آپ کی خوب نبھے گی ــــــ وہ بھی ڈاکٹر ہیں ــــــ اور صرف شوقیہ ڈاکٹر" ــــــ

جواب میں مَیں صرف مسکرا کر رہ گیا ــــــ محمود نے پھر اُس سے کہا ــــــ

"آپ نے اپنا تعارف ابھی تک نہیں کرایا" ـــــ لڑکی چونکہ ابھی تک کھڑی تھی۔ اس لئے اُس نے میزبانوں کے سے بے تکلف انداز میں کہا ـــــ

"ارے معاف کرنا۔ ہم بیٹھے ہوئے ہیں اور آپ اتنی دیر سے کھڑی ہیں۔ تشریف رکھئے نا" ـــــ!

"شکریہ"! ـــــ لڑکی ہنس کر ہمارے قریب ایک آرام کرسی کھینچتے ہوئے بیٹھ گئی ـــــ

"جی تو ذرا اپنے متعلق بھی تو آپ کچھ فرمائیں" ـــــ محمود نے پھر اپنا سوال دُہرایا ـــــ

"میرے متعلق" ـــــ! اس نے جواب دیا ـــــ "میرے متعلق بس یہ سمجھ لیجئے۔ کہ میرا نام سلومی ہے ـــــ اپنے پاپا کی لڑکی ہوں۔

"اور بس!" ـــــ اپنا تعارف کرانے کے بعد وہ خود بخود کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اور مجھے ایسا محسوس ہوا۔ جیسے سارے کمرے میں چنبیلی کے سفید سفید پھول بکھر گئے ہوں۔

"سلومی" ـــــ وہ ذرا خاموش ہوئی۔ تو میں نے بہت آہستہ سے اس کا نام دہرایا ـــــ اُس نے سن لیا اور فوراً میرے چہرے پر اپنی نوکیلی نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا ـــــ

"جی ہاں یہی ہے میرا نام ـــــ کیوں آپ کو پسند نہیں آیا"؟

"نہیں نہیں" ـــــ میں نے گھبرا کر کہا ـــــ "مجھے تو بہت زیادہ پسند آیا ہے" ـــــ

"شکریہ!" ـــــ اس نے اپنے لچکدار جسم میں ذرا خم دے کر آداب سلام کے انداز میں سر جھکا کر کہا ـــــ

اتنے ہی میں دروازہ پر کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی ــــ سلومی نے اس طرف نگاہ اٹھائے بغیر ذرا بلند آواز سے کہا ــــ

"مردان ــــ اندر آجاؤ" ــــ

"بہت اچھا" ــــ

ایک بھاری بھرکم آواز گونجی۔ اور ملازموں کی وضع کا ایک کرم خوردہ بوڑھا شخص اندر داخل ہوا ــــ

"بھئی دیکھو! یہ دو ہمارے بن بلائے مہمان آگئے ہیں" ــــ اس نے مسکرا کر ہماری جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا ــــ "جب تک پاپا لیبارٹری سے باہر آئیں۔ تم ان کے لئے چائے کا بندوبست کر دو" ــــ

"بہت اچھا بے بی" ــــ مردان نے فرمانبردارانہ طور پر سر جھکائے ہوئے کہا ــــ

"ابھی دس منٹ میں چائے حاضر کرتا ہوں" ــــ اور یہ کہہ کر وہ خاموشی سے اُسی دروازے سے واپس چلا گیا۔ جس سے ابھی ابھی داخل ہوا تھا۔

اس لڑکی یعنی سلومی کے اتنے دیر قریب رہنے سے اور باتیں وغیرہ کرنے سے جو کچھ اثر مجھ پر ہوا۔ وہ زیادہ تر تو اس کے حُسن اور حُسنِ اخلاق کا تھا۔ یا اس کی ان دو پُراسرار آنکھوں کا تھا۔ جو میرے اعصاب پر حرارت بن کر چھا گئی تھیں ــــ لیکن ایک تیسری چیز جو میں نے سلومی میں محسوس کی۔ وہ بڑی عجیب سی تھی ــــ خدا جانے یہ ہماری یک لخت آمد کا اثر تھا یا کچھ اور وہ مجھے کچھ بے چین سی نظر آرہی تھی ــــ حالانکہ وہ اپنے آپ پر حد درجہ قابو پائے ہوئے تھی ــــ ہم سے ہنس ہنس کر باتیں کر رہی تھی ــــ بہت لاپرایانہ انداز میں رفتار اور نشست و برخاست کا مظاہرہ کر رہی تھی۔

لیکن اس کے باوجود میری آنکھیں اس کی اس لاپرواہی اور مسکراہٹوں کے پیچھے بےچینی کی ایک ہلکی سی لہر محسوس کر رہی تھیں —— جیسے وہ کسی نامعلوم خطرے کے باعث خوف زدہ ہو —— جیسے بچہ کوئی سخت غلطی کرنے کے بعد ماں باپ کے خوف سے لرزاں لرزاں رہتا ہے۔ بہت غور کرنے کے بعد آخر میں اسی نتیجہ پر پہنچا چونکہ ہم دونوں واقعی بن بلائے مہمان ہیں اور ایک مکان میں ہیں۔ جس میں ہماری آمد کا کسی کو شبہ تک نہیں ہو سکتا۔ تو لڑکی کا مضطرب ہونا یقینی ہے —— خدا جانے وہ ہمیں کیا سمجھ رہی ہو گی۔ —— شرافت چہرے پر تو لکھی نہیں رہتی —— ہو سکتا ہے وہ ہمیں ڈاکو سمجھ رہی ہو —— اس کے علاوہ مالک مکان کا ایسی پوشیدہ جگہ مکان بنانا جہاں کوئی شخص نہ پہنچ سکے۔ کسی خاص مقصد کے تحت ہی ہو گا —— ہو سکتا ہے کہ وہ اس پُراسرار مکان میں کسی جُرم کا مرتکب ہوتا ہے —— مثلاً نوٹ وغیرہ چھاپتا ہو ——
یا اپنے کسی اور راز کو خفیہ رکھنے کے لئے اس نے اس بھیانک جنگل کی پناہ لی ہو اور ہمارے یکایک پہنچ جانے سے افشا کا ڈر ہو —— یا اس نامعلوم جُرم کا راز کھل جانے کا خوف ہو۔ —— بہرحال جو کچھ بھی ہو۔ ہمارا اس طرح اچانک آ جانا اس مکان کے مالکان کے لئے واقعی اضطراب کا سبب بن سکتا تھا۔

چنانچہ میں نے سلومی کی بےچینی کو وقتی اضطراب سمجھ کر نظر انداز کر دیا اور پھر پوری توجہ سے اس کے تیکھے تیکھے خد و خال میں کھو کر رہ گیا ——

جتنی دیر میں خاموشی سے اس کے متعلق سوچتا رہا —— میں نے محسوس کیا۔ وہ بار بار نظر چرا کر میرے چہرے کا جائزہ لیتی رہی —— بظاہر وہ خاموشی سے چائے کا انتظار کرتی رہی — لیکن درحقیقت وہ میری ایک ایک حرکت کو بغور نوٹ کر رہی تھی ——

خاموشی جب گراں گذرنے لگی تو اس نے اپنے سینے پر پڑی ہوئی ایک چوٹی کو انگلی پر لپیٹتے ہوئے پوچھا۔

"میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ کہ آپ ہمارے مکان" تک پہنچ کیسے گئے ——— ؟ جب کہ آمد و رفت کے راستے اس قدر محدود اور خفیہ ہیں کہ کسی نئے آدمی کو ملنے قطعی ناممکن ہیں" ———

"بس اسے اتفاق ہی کہیئے ہمیں چلتے چلتے ایک چھوٹا سا راستہ نظر آگیا اور اس سے گذرتے ہوئے ہم آپ کے دولت کدہ تک آ گئے" ——— میں نے جواب دیا۔

اتنے ہی میں دروازہ پر آہٹ معلوم ہوئی۔ ہم دونوں نے دروازہ کی جانب دیکھا۔ لیکن سلومی نے ادھر دیکھے بغیر کہا ———

"چائے لے آئے مردان" ——— ؟

اور واقعی پردہ اٹھا تو مردان چائے کی ٹرے لئے چلا آ رہا تھا ———

"جی بی بی جی ! چائے حاضر ہے" ——— اس نے نہایت مؤدبانہ لہجہ میں جواب دیا اور چائے چھوٹی میز پر لگا کر میز ہماری جانب سرکا دی ———

میں سوچنے لگا کہ اس لڑکی کو اس گھر کے نظام اور حالات پر کس قدر عبور ہے کہ قدموں کی چاپ سُن کر ہی اندازہ لگا لیتی ہے کہ فلاں شخص آ رہا ہے ——— یہ کوئی تعجب خیز بات نہیں تھی ——— کسی گھر میں رہنے والے تمام افراد ایک دوسرے میں اس قدر رچ جاتے ہیں کہ سانس کی آواز تک سُن کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں شخص ہے ——— لیکن اپنی بات پر اس قدر اعتماد عام طریقے سے بہت کم ہوتا ہے۔ جتنا سلومی کو ہے ———

دو مرتبہ مردان آیا اور دونوں ہی مرتبہ اس نے قدموں کی چاپ سُن کر

بغیر دیکھے اور بغیر ایک لمحہ سوچے مردان کہہ کر آواز دے لی ——— یہ بھی درست ہے کہ دونوں مرتبہ چونکہ اس نے مردان ہی کو بلایا تھا۔ اس لئے اُسے پتہ تھا کہ وہی آئے گا ——— لیکن یہ بھی تو ہو سکتا تھا کہ اس دوران میں گھر کا کوئی اور فرد یا کوئی ملازم کسی کام سے آجاتا ——— بہرحال ان دو باتوں سے میں اس نتیجہ پر پہنچا۔ کہ لڑکی غیر معمولی ذہین ہے اور کافی خود اعتماد ہے —

چائے کے دوران میں مَیں نے دریافت کیا:۔

"کیا آپ کی تمام ضروریات یہ ایک ملازم پوری کرتا ہے"؟ ———

"نہیں" ——— اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا ——— "گھر میں اس کے علاوہ تین چار ملازم اور ہیں۔ لیکن ہمارا سب سے زیادہ معتمد ملازم یہی مردان ہے۔ اس نے مجھے بچپن سے اپنی گود میں کھلایا ہے" ———

"ایک بات میری سمجھ میں نہیں آئی" ——— محمود نے گرم گرم چائے کا ایک ہلکا سا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا ——— "ایسے خوفناک جنگل میں رہنے سے آپ کا کیا مقصد ہے" ———؟

"اس کے علاوہ کچھ نہیں کہ پاپا ڈاکٹر ہیں ——— وہ اپنا زیادہ تر وقت تجربات میں گذارنا چاہتے تھے ——— اور تجربات کرنے کے لئے ایک مسلسل تنہائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے انھوں نے جنگل کے اس حصہ میں مکان بنوا لیا۔ جہاں کسی کا گذر نہ ہو سکے" ———

اس نے جواب دیا ———

"کیا آپ کو یہاں رہتے ہوئے کافی عرصہ گذر چکا ہے" ———؟ محمود نے پوچھا ———

"جی ہاں"! ——— اس نے اپنی لانبی پلکوں کی چلمن سے جھانکتے ہوئے کہا ——— پاپا کہتے ہیں کہ اس وقت میں صرف چھ سات ماہ کی تھی۔ جب وہ مجھے لے کر یہاں آ گئے تھے ——— میری پوری زندگی اسی خوفناک جنگل میں گذری ہے بلکہ تیرہ چودہ سال کی عمر تک تو میں نے اپنے پاپا اور ان چند ملازموں کے سوا کسی مرد یا عورت کی صورت بھی نہیں دیکھی تھی ——— اب دو تین سال سے پاپا مجھے کبھی کبھی شہر میں اپنے دوستوں کے یہاں لے جانے لگے ہیں ——— ایک طرح سے یہ کہہ لیجئے۔ کہ زندگی کے ہنگاموں شہر کی پُرفضا رونقوں اور انسانوں کی دلچسپ صحبتوں سے میں ابھی روشناس ہوئی ہوں" ———

"اس کے معنے یہ ہیں کہ آپ کی پرورش اس گھر میں بالکل مقید ہو کر ہوئی ہے" ——— میں نے اس کی پوری بات سن کر حیرت سے کہا ———

"جی ہاں" ——— اس نے اثبات میں سر ہلایا ———

"آپ کا دل نہیں گھبراتا یہاں" ———

"نہ" ——— اس نے انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ میں تنہائی کی عادی ہو چکی ہوں۔ میں اس خوفناک جنگل کے خوفناک درندوں، زہریلے سانپوں اور خطرناک جانوروں سے مانوس ہو چکی ہوں ——— اپنا زیادہ تر وقت میں پڑھ کر گذار دیتی ہوں۔ یا سانپوں اور بچھوؤں سے کھیل کر" ———

"جی" ——— اس کی بات کا آخری حصّہ سن کر میں حیرت کے مارے قریب قریب اُچھل پڑا ———

"کیا فرمایا آپ نے ——— سانپوں اور بچھوؤں سے کھیل کر" ——— ؟

جی ہاں" ——— اس نے میری حیرت کو نظر انداز کرتے ہوئے سادگی سے

جواب دیا ——— میرا مطلب ہے۔ پاپا نے جو اپنے تجربات کے لئے سانپ اور بچھو یا اور دوسرے زہریلے جانور جمع کر رکھے ہیں انھیں دیکھ دیکھ کر دل بہلا لیتی ہوں گی۔

"اوہ!" ——— میں نے جیسے اطمینان کا سانس لیتے ہوئے کہا "میں سمجھا تھا ——— کہ میں ——— خیر چھوڑیئے ——— لیکن ہاں آپ کے پاپا کس قسم کے تجربات کرتے ہیں" ——— ؟

"زہروں کے"۔ اس نے مختصر سا جواب دیا ———

"زہروں کے" ——— ؟ ایک مرتبہ پھر مجھے اپنا سانس سینے میں رُکتا ہُوا محسوس ہُوا ——— میرے دل میں نہ جانے کیوں یہ خیال پیدا ہوا کہ یہ شخص یعنی سلومی کا پاپا یقیناً کوئی خوفناک آدمی ہو گا ——— ایک ایسے بھیانک جنگل میں دنیا سے الگ تھلگ رہنا ——— زہروں کے تجربات کرنا ——— سانپ بچھو اور دوسرے زہریلے جانور پالنا کوئی زیادہ تعجب خیز امر نہیں ——— لیکن اس قسم کے تجربات تو شہر میں رہ کر بھی ہو سکتے تھے۔ جیسے ہسپتال کے بڑے سرجن مسٹر گھوش اور میں کرتے رہتے ہیں۔ پھر آبادی کے ہنگاموں سے بالکل کنارہ کش ہو جانا کیا معنی رکھتا ہے ——— یقیناً یہ ڈاکٹر کسی نیک طبیعت کا مالک انسان نہیں ہو سکتا ——— یہ میرے دِل کا آخری فیصلہ تھا ———

چائے ختم ہو جانے کے بعد اس نے پھر گھنٹی بجا کر مردان کو بُلایا۔

"یہ برتن لے جاؤ" ——— مردان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اُس نے کہا۔

مردان نے سرِ تسلیم خم کیا۔ اور ٹرے اُٹھا کر لے گیا ——— کچھ دیر

تک کمرے میں سکوت چھایا رہا ـــــ یکایک سلومی کو کچھ خیال آیا۔ اُس نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی اور پھرتی سے اُٹھ کر ہم دونوں پر ایک اُڑتی ہوئی نظر ڈالتے ہوئے بولی ـــــ

"معاف کرنا۔ میں صرف دس منٹ کے لئے ایک ضروری کام سے جانا چاہتی ہوں ـــــ پاپا کا بھی لیبارٹری سے باہر آنے کا ٹائم ہو گیا ہے۔ ـــــ اتنے آپ دونوں حضرات کچھ آرام فرمالیں" ـــــ

"کوئی بات نہیں" ـــــ محمود نے مسکرا کر جواب دیا ـــــ

"ہم دس منٹ نہیں دس گھنٹے آپ کا انتظار کرنے کے لئے تیار ہیں" ـــــ

"شکریہ!" ـــــ اس نے ایک نازک سی ہنسی ہنستے ہوئے کہا۔ اور رنگین تتلی کی طرح تھرکتی ہوئی باہر نکل گئی ـــــ

"لڑکی دلچسپ ہے" ـــــ سلومی کے چلے جانے پر محمود نے اپنی رائے ظاہر کی ـــــ "لیکن ایسی لڑکیاں عموماً خطرناک ہوتی ہیں" ـــــ

"تم بھی احمق ہی ہو" ـــــ میں نے چھوٹی میز پر اپنی ٹانگیں پھیلاتے ہوئے کہا ـــــ

"بھلا ایسی حسین اور نازک لڑکیاں خطرناک کیسے ہو سکتی ہیں ـــــ؟ یہ بے چاریاں تو ریشم کے لچھوں کی طرح اس قدر ملائم ہوتی ہیں کہ چاہے جس طرح موڑ توڑ کر انھیں جیب میں ڈال لو۔ اور چلتے بنو" ـــــ

"بجا فرمایا آپ نے" ـــــ محمود نے سگریٹ کا کش شاعرانہ انداز میں لیتے ہوئے کہا ـــــ

"اور شاید یہ آپ کو علم نہیں کہ یہی ریشم کا لچھا جب پھانسی کا پھندا بن کر گلے میں اپنی باہیں حمائل کر دیتا ہے۔ تو پھر جان لئے بغیر نہیں چھوڑتا" ـــــ

میں خاموش رہا ـــــــ کچھ دیر ٹھہر کر پھر محمود نے کہا ـــــــ

"لیکن یار ہو خوش قسمت تم ـــــــ میں نے نوٹ کیا ہے کہ وہ تمہاری طرف کافی ملتفت تھی ـــــــ بار بار چور نظروں سے تمہیں گھور رہی تھی"ـــــــ

"لیکن اگر تمہارے قول کے مطابق یہ خوبصورت حسینہ واقعی خطرناک ہوئی۔ تو اس کے یہ معنے ہیں۔ کہ اس کا پہلا شکار میں ہونگا" ـــــــ میں نے اس کے الفاظ کی آڑ میں سلومی کا محبت بھرا چہرا چھپانا چاہا ـــــــ

"میری جان گھبراتے کیوں ہو" ـــــــ؟ میں موجود ہوں تمہاری حفاظت کے لئے ـــــــ تم شوق سے عشق پر عشق لڑاؤ تمہیں ڈر کس کا ہے" ـــــــ؟ اس نے سینہ پر ہاتھ مار کر ڈرامیٹک انداز میں کہا ـــــــ اور ہم دونوں قہقہہ مار کر ہنس پڑے ـــــــ

باب ۳

زہروں کا ڈاکٹر

تقریباً پندرہ منٹ تک سکوت چھایا رہا۔ چونکہ باتوں کے لئے فی الحال کوئی موضوع نہیں رہا تھا۔ اِس لئے ہم دونوں خاموشی سے سگریٹ پیتے رہے۔
——— تھوڑی دیر کے بعد دوسرے کمرے میں کسی کے چلنے کی آہٹ محسوس ہوئی۔ ہم دونوں چونک پڑے اور میز پر سے ٹانگیں ہٹا کر مہذب انداز سے صوفے پر بیٹھ کر کسی کی آمد کا انتظار کرنے لگے ——— لیکن کافی دیر گذر جانے کے بعد بھی کمرے میں کوئی داخل نہ ہُوا ———

کچھ دیر کے بعد دُوسرے کسی مرد کی بھاری بھرکم آواز یہ کہتے سُنائی دی
"کیا وہ دو آدمی ہیں؟ ———"

"جی ——— صرف دو" ——— یہ سلومی کی آواز تھی ———
"آدمی شریف معلوم ہوتے ہیں" ———

"بہرحال میں پسند نہیں کرتا" ——— مردانہ آواز ذرا تند تھی ———

"شہر سے اتنی دور اس خوفناک جنگل میں چھپ کر رہنے کے باوجود کم بخت راستہ ڈھونڈ لیتے ہیں۔ جب سے ہم اس جگہ آئے ہیں۔ یہ پہلا موقع ہے کہ دو شخص بغیر بلائے اور بغیر راستہ دکھائے یہاں تک پہنچ گئے ہیں۔ ان کی آمد میں ضرور کوئی راز ہے" ـــــ کچھ دیر خاموش رہ کر آواز دوبارہ سنائی دی ـــ

"میں اس فیروز کو بھی اب بالکل پسند نہیں کرتا ـــــ کہاں چلا گیا ہے وہ کم بخت!" ـــــ

"پتہ نہیں" ـــــ سلومی کا مختصر سا جواب تھا ـــــ اس کے بعد خاموشی چھا گئی ـــــ

یہ آوازیں سن کر میں نے محمود کی طرف اور محمود نے میری جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا۔ میرا خیال تقریباً درست تھا۔ کہ یہ شخص نامعلوم واقعی خطرناک تھا ـــــ اور ہمیں بالکل پسند نہیں کرتا تھا ـــــ

"میرا خیال ہے یہ شخص تمہارا "ولن" ثابت ہو گا" ـــــ محمود نے ہنس کر کہا ـــــ اس کا اشارہ سلومی کے پاپا کی جانب تھا ـــــ

"اگر تم اس زہر دل کے ڈاکٹر سے ہے تو کبھی میں "ہیرو شپ" سے دستبردار ہوتا ہوں ـــــ میں نے بھی ہنس کر جواب دیا۔ ـــــ "ہیروئین" ولن کو ہی مبارک رہے" ـــــ

"ایسی باتیں کہنے سے پہلے ذرا دل پر ہاتھ رکھ لیا کرو" ـــــ محمود نے کہا ـــــ

میں اس کی بات کا کوئی جواب دینے ہی والا تھا کہ دوسرے کمرے میں قدموں کی آہٹ پھر محسوس ہوئی ـــــ اور ہم دونوں خاموش ہو کر بیٹھ گئے۔
ذرا سی دیر کے بعد پردہ اٹھا اور ایک شخص اندر داخل ہوا جو قرینے سے

نہ ہی ڈاکٹر معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ وہ کمرہ میں لگی ہوئی اس تصویر سے کچھ ملتا جلتا تھا ——— سلومی اس شخص کے پیچھے پیچھے تھی ——— ہم دونوں انھیں آتا دیکھ کر کھڑے ہوگئے۔ اور سلام کیا ———

"تشریف رکھئے"! ——— اس نے ہمیں کھڑا ہوتا ہوا دیکھ کر دروازہ سے ہی کہا۔ اور دونوں باپ بیٹی ہمارے سامنے ایک صوفے پر بیٹھ گئے۔

"گستاخی معاف"! ——— محمود نے گفتگو کا آغاز کرتے ہوتے کہا ———

"سب سے پہلے تو میں اس بات کی معذرت چاہتا ہوں کہ میں اور میرا دوست بغیر بلائے آپ کے مکان پر آگئے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے سوا کوئی چارۂ کار بھی نہ تھا۔ اگر ہم رات کو یہاں پناہ گزیں نہ ہوتے تو یقیناً کسی درندہ کا شکار ہوجاتے ——— ہم جنگل میں راستہ بھول گئے تھے اور دوپہر سے راستہ ڈھونڈتے پھر رہے تھے۔ لیکن باہر جانے کا راستہ نہیں ملا" ———

"اس کے بجائے یہاں آنے کا راستہ مل گیا" ——— ڈاکٹر نے ایک عجیب سا قہقہہ اگلتے ہوئے کہا۔ جس میں مزاح سے زیادہ طنز کا عنصر شامل تھا ——— "کتنی عجیب بات ہے" ———؟

میں نے اس کے طنز و تضحیک کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا ———

سب سے پہلے آپ سے ہم اپنا تعارف کر دیں ——— "میرا نام اسلم ہے۔ اور یہ میرے دوست مسٹر محمود ہیں" ———

"بڑی خوشی ہوئی آپ سے مل کر" ڈاکٹر نے سرد لہجہ میں کہا ——— "میرا نام ڈاکٹر زبیر ہے" ———

"ڈیئر پاپا" ——— یکایک سلومی نے ڈاکٹر زبیر کے کندھے جھنجھوڑتے ہوئے کہا ——— "یہ اسلم صاحب آپ ہی کی طرح ڈاکٹر بھی ہیں ——— صرف

شوقیہ ڈاکٹر ــــــــــــ

ڈاکٹر نے میری جانب بڑی گہری نظر سے دیکھا ــــــ سلومی نے بھی شوخی سے مسکراتے ہوئے اپنی تیز نشیلی نگاہوں کی ساری مستیاں میرے چہرے پر مرکوز کردیں ــــــــ

"آپ صاحبان کا شغل کیا ہے" ــــــــ؟ ڈاکٹر زبیر نے سوال کیا ــــــــ

"تفریح سیر و شکار" ــــــــ محمود نے جواب دیا ــــــــ

"کیا آپ اس جنگل میں پہلے بھی کبھی شکار کی غرض سے آئے ہیں؟"

"نہ" ــــــ میں نے کہا ــــــ "یہ ہمارا پہلا موقعہ ہے کہ ہم اس خوفناک جنگل میں آپھنسے تھے!"

"ہوں" ــــــ ڈاکٹر نے ایک لمبی سی ہوں کرتے ہوئے اپنا ایک آنکھ کا چشمہ داہنی آنکھ پر چڑھا لیا ــــــــ

ڈاکٹر زبیر تقریباً پچاس سال کی عمر کا اچھا صحت مند شخص تھا۔ رنگ بھی کھلتا ہوا تھا۔ فرنچ کٹ داڑھی اس کے گورے چہرے پر اچھی معلوم ہوتی تھی ــــــ لیکن کمرے میں لگی ہوئی اس کی تصویر میں پوری داڑھی تھی ــــــ اور عمر بھی کچھ کم معلوم ہوتی تھی ــــــ میرا خیال ہے۔ وہ فوٹو اب سے پندرہ سولہ سال پیشتر کا ہوگا ــــــــ

کچھ دیر تک خاموشی چھائی رہی۔ تو محمود نے سکوت سے اکتا کر کہا ـ

"آپ کو ہماری یک دم آمد سے کوفت تو ضرور ہوئی ہوگی ــــ لیکن یقین کیجئے۔ دن نکلتے ہی ہم یہاں سے رخصت ہو جائیں گے ــــــ زیادہ آپ کی تکلیف کا باعث نہیں بنیں گے" ــــــــ

"نہیں کوئی بات نہیں" ڈاکٹر زبیر نے کہا جب آپ تشریف لے آئے ہیں. تو مجھے کوئی تکلیف یا کوفت نہیں۔ بشوق رہیئے"

"شکریہ"! ہم دونوں نے بیک زبان کہا

یکایک ڈاکٹر نے سلومی کی طرف متوجہ ہوتے ہوئے کہا

"فیروز کہاں ہے" ؟

"مجھے کیا معلوم" سلومی نے دوسری طرف مُنہ پھیرتے ہوئے کہا "آپ سے گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ پہلے. جھاڑیوں کی جانب ٹہلنے گیا تھا. ابھی تک لوٹ کر نہیں آیا"

"کتنی بار کہا ہے - کہ رات کو کوٹھی سے باہر نہ نکلا کرو ورنہ جان سے ہاتھ دھو بیٹھو گے لیکن سنتا ہی نہیں عجیب شخص ہے" ڈاکٹر نے برہم ہوتے ہوئے کہا

میں نے انہیں کسی تیسرے شخص کے متعلق گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر کہا "جب ہم دونوں جنگل میں راستہ تلاش کرنے کے لئے بھٹک رہے تھے. تو ایک عجیب واقعہ پیش آیا"

"کیا" ؟ ڈاکٹر نے حیرت سے ہماری طرف دیکھتے ہوئے کہا ــ

"پہلے ہمیں ایک چیخ کی آواز سنائی دی اور جب ہم دوڑ کر اس طرف پہنچے جدھر سے چیخ کی آواز آئی تھی - تو ہم نے دیکھا کہ ایک درخت کے نیچے کسی نوجوان شخص کی لاش پڑی تھی"

"لاش" ؟ ڈاکٹر بڑے ز[illegible] کیا کسی نوجوان کی لاش تھی" ؟

"جی ہاں ! ایک اَپ ٹوڈیٹ اور خوبصورت نوجوان" ؟ میں

نے تصدیق کی ـــــــ

سلومی بھی لاش کا ذکر سُن کر بڑے زور سے چونکی اور یک لخت اس کے چہرے کا رنگ پیلا پڑ گیا ـــــــ

سلومی اور ڈاکٹر نے ایک دوسرے کی جانب معنی خیز نگاہوں سے دیکھا پھر ڈاکٹر نے ہماری جانب متوجہ ہوتے ہوئے کہا۔

"اس شخص کی کوئی خاص نشانی بتا سکتے ہیں آپ" ـــــــ ؟

"اِس کے علاوہ کچھ نہیں کہ وہ نوجوان تھا" ـــــــ میں نے جواب دیا

"البتہ جب ہم نے اس کی تلاشی لی۔ تو ایک لائیٹر اور ایک سگریٹ کیس برآمد ہُوا۔ اس کے علاوہ کچھ نہیں" ـــــــ

"کیا وہ دونوں چیزیں آپ کے پاس موجود ہیں" ـــــــ ؟

"جی ہاں! ہیں" ـــــــ میں نے جیب سے دونوں چیزیں نکال کر ان کے سامنے میز پر ڈال دیں۔

ڈاکٹر نے دونوں چیزیں اُٹھا کر ایک نظر دیکھیں اور پھر سلومی کو دیکھنے کے لئے دے دیں ـــــــ

"پورا واقعہ کس طرح پیش آیا ـــــــ ؟ کیا آپ کچھ تفصیل سے بتا سکینگے؟" ڈاکٹر نے پُوچھا ـــــــ

"جی ہاں ـــــــ ؟ واقعہ یہ ہُوا کہ مَیں اور میرا دوست راستے کی تلاش میں بھٹکتے پھر رہے تھے کہ ایک انسانی چیخ کی آواز سُن کر ہم چونک پڑے اور تیزی سے آواز کی سمت دوڑ پڑے۔ وہاں جا کر دیکھا۔ تو ایک نوجوان شخص پڑا ہوا تھا۔ میں نے جھک کر اس کی نبض دیکھی تو ساکت تھی ـــــــ وہ کبھی کا دم توڑ چکا تھا ـــــــ اور اس کا چہرہ نیلگوں سا ہو گیا تھا۔ جیسے کسی زہریلے سانپ نے

اُسے ڈس لیا ہو"——

"اچھا! چہرہ نیلا ہو گیا تھا"—— ؟ ڈاکٹر پوری توجہ سے ہماری باتیں سننے کے لئے تیار ہو کر بیٹھ گیا—— سلومی کے چہرے کا رنگ ابھی تک فق تھا۔ لیکن وہ بھی اپنی تمام تر دلچسپیوں کے ساتھ ہماری گفتگو سننے میں مصروف تھی——

"جی ہاں"—— ! میں نے ڈاکٹر کی بات کا جواب دیتے ہوئے کہا——

"اس کا چہرہ نیلا ہو گیا تھا۔ لیکن اس حادثہ میں سب سے زیادہ تعجب کی بات یہ ہے کہ اس شخص کے جسم پر سانپ کے کاٹنے کا کہیں نشان تک نہ تھا—— بلکہ"—— ؟

میں سانس لینے کے لئے رُکا۔ تو سلومی نے بے چینی سے پہلو بدلتے ہوئے پوچھا——

"بلکہ"—— ؟

"اس کے داہنے بازو پر ایک ایسے زخم کا نشان تھا۔ جیسے کسی انسان کے کاٹنے سے دانتوں کے نشان اُبھر آتے ہیں—— اور اس زخم سے نیلے رنگ کا زہریلا مادہ بہہ رہا تھا"——

"دانتوں کے نشان—— ؟ ایک مرتبہ پھر ڈاکٹر زبیر اور سلومی حیرت اور خوف کے مارے اُچھل پڑے۔ ڈاکٹر نے پھر ایک گہری نگاہ سے سلومی کو دیکھتے ہوئے کہا——

"میرے خیال سے"—— اور وہ کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔—— شاید ہماری وجہ سے——

"پھر آپ نے اس کی تلاشی لی"—— ؟ ڈاکٹر نے سوال کیا!

"جی ہاں" ——— ! میں نے جواب دیا ——— "اس شخص کی تلاشی لینے کے بعد ہی ہمیں خیال ہُوا۔ کہ ضرور کوئی آبادی نزدیک ہو گی۔ چنانچہ ہم نے ایک اونچے درخت پر چڑھ کر دیکھا۔ تو آپ کی کوٹھی نظر پڑی ——— پھر ہم اس مُردہ نوجوان کو مرکز بنا کر آپ کی کوٹھی تک پہنچنے کا راستہ تلاش کرنے لگے ——— آخر وہ راستہ ہمیں مل گیا۔ اور ہم یہاں تک پہنچ گئے"

سلومی اب بہت زیادہ مضطرب نظر آ رہی تھی ——— بار بار اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا۔ بار بار وہ پہلو بدل رہی تھی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بے اختیار رو دینا چاہتی ہے۔ لیکن ہماری وجہ سے نہیں رو سکتی ———

اس کی اس سخت بے چینی سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ مقتول شخص جس کی لاش جنگل میں کس مپرسی کے عالم میں پڑی ہے۔ ضرور اس گھر سے ہی تعلق رکھتا ہو گا ——— بلکہ کوئی بعید نہیں کہ سلومی اس سے محبت کرتی ہو ——— اور یہ تصور کر کے کہ سلومی اس نوجوان سے محبت کرتی ہو گی۔ مجھے نہ جانے کیوں سخت کوفت ہوئی ——— لیکن یہ سوچ کر کہ وہ شخص تو بیچارہ اب اس دنیا میں ہی نہیں ہے۔ میں نے اپنی کوفت کو ایک خوش آئند خیال میں تبدیل کر دیا ——— جس میں سلومی کا چاند کس طرح دمکتا ہوا چہرہ اور انگاروں کی طرح دہکتی ہوئی آنکھیں، دونوں چیزیں شامل تھیں ———

اب پہلی مرتبہ مجھے احساس ہوا۔ کہ محمود کی پیشین گوئی واقعی درست تھی سلومی اس مختصر سے وقت میں ہی بُری طرح میرے اعصاب پر قابض ہوتی جا رہی تھی ———

"تو کیا مجھے اس نامعلوم حسینہ سے محبت ہو جائے گی" ——— ؟ میں نے

اپنے دل سے سوال کیا ——— اور جواباً مجھے اپنی رگ رگ میں وہ تیز تیز نگاہیں تیرتی ہوئی محسوس ہوئیں۔ جو بیک وقت انگاروں کی طرح گرم بھی تھیں اور برف کی طرح سرد بھی ——— یہ میرے سوال کا واضح جواب تھا۔
دل کا جواب پا کر میں نے غیر ارادی طور پر سلومی کی جانب چور نظروں سے دیکھا۔ تو اس کی دونوں نوکیلی آنکھیں بڑی بے باکی کے ساتھ میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں۔ جیسے وہ میرے چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے میرے دل کا راز پڑھنے کی کوشش کر رہی ہو۔
"بڑا پُراسرار معاملہ ہے" ——— یکایک ڈاکٹر کی بھاری بھرکم آواز نے مجھے چونکا دیا ——— وہ کہہ رہا تھا ——— "پتہ نہیں۔ کون بدنصیب ہوگا۔ جو ایسی خوفناک موت سے دوچار ہو گیا ہے" ———
یہ کہہ کر اس نے صوفے سے اُٹھ کر بے چینی سے ٹہلتے ہوئے کہا ———
"آپ لوگ ذرا آرام کریں ——— میں ابھی گھنٹہ بھر تک آجاؤں گا۔ کھانا اگر کھانا چاہیں۔ تو ابھی کھالیں ورنہ ایک گھنٹہ بعد ہم سب ساتھ کھالیں گے" ———
"جی ہاں" ——— محمود نے جواب دیا ——— "سب ساتھ ہی کھائیں گے ——— چائے پی لی ہے۔ اس لئے ہمیں اب زیادہ بھوک نہیں لگ رہی" ———
"بس تو پھر آپ آرام فرمائیں۔ میں ابھی حاضر ہوتا ہوں" ——— پھر سلومی کی جانب مخاطب ہوتے ہوئے کہا ——— "سلومی تم میرے ساتھ آؤ" سلومی نے حکم کی تعمیل کی۔ اور دونوں خاموشی کے ساتھ کمرے سے باہر چلے گئے ———

———

باب ۴

اظہارِ محبت

ایک گھنٹہ گزر گیا —— اس دوران میں کوئی خاص قابل ذکر بات نہیں ہوئی۔ میں اور محمود حالات پر تبصرہ کرتے رہے —— اور دوسرے کمروں سے کبھی کبھی لوگوں کے اِدھر اُدھر چلنے پھرنے کی آوازیں —— یا ڈاکٹر زبیر کی گرجدار آواز آتی رہا —— کبھی مدھم مدھم کبھی تیز تیز —— جیسے وہ بہت سے احکامات جاری کر رہے ہو —— یا بہت سارے لوگوں کے کاموں کی جانچ پڑتال کر رہے ہو —— کبھی کبھی مکمل خاموشی بھی چھا جاتی تھی۔ حالانکہ گھروں میں ہنگامے ہوتے ہی ہیں لیکن اس کے باوجود میرے دل میں یہ بات پوری طرح بیٹھ چکی تھی کہ یہ ڈاکٹر اور یہ مکان دونوں خطرناک حد تک پُراسرار ضرور ہیں ——

ٹھیک ایک گھنٹے کے بعد گرم خوردہ بوڑھے مردان نے کمرے میں جھانکتے ہوئے کہا ——

"چلئے صاحبان! ——— ڈاکٹر صاحب آپ کو کھانے کے کمرے میں یاد فرما رہے ہیں" ———

ہم دونوں اُٹھ کر مردان کی معیت میں چلنے لگے ——— دو تین کمروں اور ایک چھوٹی سی غلام گردش کو طے کرنے کے بعد مردان نے ہمیں کھانے کے کمرے میں پہنچا دیا ———

"آئیے جناب" ——— ! ڈاکٹر نے ہمیں آتا دیکھ کر اخلاقاً اُٹھتے ہوتے کہا ——— آپ کو یقیناً بھوک تو کافی لگ رہی ہو گی۔ امید ہے کہ آپ اِس تاخیر کے لئے معاف فرمائیں گے" ———

ہم دونوں نے مناسب الفاظ میں ڈاکٹر کا شکریہ ادا کیا اور کھانے کی میز پر بیٹھ گئے ——— لیکن کھانے کی میز پر ایک اور تعجب خیز بات نظر آئی ——— ہم دونوں کے لئے اور ڈاکٹر کے لئے کھانا ایک قسم کا تھا ——— اور سلومی کے سامنے دوسری قسم کا ——— یعنی اس کی ڈشیں اور پلیٹیں سب کچھ ہمارے سامان سے کچھ اس طرح الگ رکھی تھیں۔ جیسے وہ ایک میز پر بیٹھ کر ساتھ کھانا کھانے کے باوجود الگ کھانا پسند کرتی ہو ——— جیسے اسے بہت زیادہ چھوت چھات کا خیال ہو ——— اس کے علاوہ اس کی ڈشوں کا کھانا بھی ہمارے سامنے پھیلے ہوئے سامان سے بالکل مختلف تھا ———

میں نے یہ تفریق دیکھ کر دل میں سوچا۔ شاید وہ بیمار رہو۔ اور پرہیز کا کھانا کھا رہی ہو۔ اور اس سے سوال کیا ———

"کیا آپ پرہیز کا کھانا کھاتی ہیں جو ایک میز پر بیٹھنے کے باوجود آپ کے کھانے کے لئے تمام اشیاء مختلف اقسام کی ہیں" ———

سلومی نے اپنی بڑی بڑی آنکھیں اُٹھا کر میری جانب دیکھا۔ اور کوئی جواب دینا ہی چاہتی تھی۔ کہ ڈاکٹر نے جلدی سے جواب دیا

"ہاں یہ پرہیز کا کھانا کھاتی ہیں" اور اس کے چہرہ پر کچھ ایسے ناگواری کے جذبات ابھرے۔ جیسے یہ سوال اس کو گراں گذرا ہو۔ جس کا اثر یہ ہوا۔ کہ میں خواہش ہونے کے باوجود کھانے کے متعلق کوئی اور سوال نہ پوچھ سکا۔ اور خاموشی سے اپنا کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا

کھانا کھانے کے بعد ایک کمرے میں ہم دونوں کے لئے بستر کرا دیئے گئے۔ اور ہم دونوں چونکہ دن بھر کے تھکے ماندے تھے۔ اس لئے بستر پر لیٹتے ہی ایسے گھوڑے بیچ کر سوئے۔ کہ صبح سات بجے جب مردان ناشتہ کے لئے بلانے آیا۔ اسی وقت آنکھ کھلی

ناشتہ کی میز پر بھی وہی تفریق موجود تھی یعنی ہمارا اور سلومی کا ناشتہ مختلف تھا۔ لیکن میں ڈاکٹر زبیر کے خوف کی وجہ سے کچھ نہ پوچھ سکا۔

ناشتہ کے بعد جب محمود اور ڈاکٹر زبیر شہر کے امراء و رؤسا کے تذکروں میں مصروف تھے۔ تو سلومی نے مجھ سے کہا

"آیئے! میں آپ کو پاپا کی لیبارٹری دکھاؤں"

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں میں تو اس سے تنہائی میں کچھ دیر باتیں کرنے کا خواہشمند تھا ہی۔ چنانچہ فوراً کھڑا ہو گیا

دو تین کمروں سے گذرنے کے بعد اس نے ایک کمرے کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا یہ میرا کمرہ ہے دیکھیں گے آپ

"اگر آپ کو اعتراض نہ ہو تو" میں نے جواب دیا۔

وہ مسکرا دی اور میرے شانے پر سہارے کے لئے ہاتھ رکھتے ہوئے بولی

مجھے اعتراض ہوتا۔ تو تمہیں بلا کر ہی کیوں لاتی"۔۔۔۔۔۔

"آپ کے پاپا تو ہم سے کچھ خفا سے نظر آتے ہیں"۔۔۔۔۔۔

"وہ بڑی خشک طبیعت کے مالک ہیں۔۔۔۔۔۔ سوائے زہروں اور سانپوں کے وہ دنیا میں کسی اور چیز سے بالکل محبّت نہیں کرتے۔ وہ ہر آدمی سے خفا رہتے ہیں۔ حتیٰ کہ خود سے بھی۔۔۔۔۔۔ اس لئے آپ ان کی خشک مزاجی کا کوئی اثر قبول نہ کریں۔۔۔۔۔۔

کمرہ میں داخل ہو کر اس نے صوفہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ "تشریف رکھیئے"!۔۔۔۔۔۔

میں شکریہ ادا کر کے بیٹھ گیا۔ تو وہ خود بھی میرے برابر ہی بیٹھ گئی۔ میرے دل کی بے چینیوں میں اب تک اگر کچھ بھی کمی تھی۔ تو وہ سلومی کے اس بے تکلفی نے پوری کر دی۔۔۔۔۔۔

اس کے گداز اور معطر جسم کی اس درجہ قربت نے میرے جذبات میں آگ سی لگا دی۔ میری نگاہوں میں قوس و قزح کے دلکش رنگ تڑپنے لگے۔ میری رگوں میں بجلیاں سی کوندنے لگیں۔۔۔۔۔۔ میرا جی چاہا کہ میں سلومی کو آغوش میں لے کر اس کے عنابی ہونٹوں۔۔۔۔۔۔ گلابی رخساروں اور ان دہکتی ہوئی آنکھوں پر اپنے جلتے ہوئے بوسوں کی بارش کر دوں۔۔۔۔۔۔ میرے دل میں خواہش پیدا ہوئی۔ کہ میں اس کی سڈول باہوں میں سمٹ کر ہمیشہ کے لئے اس میں جذب ہو جاؤں۔۔۔۔۔۔

لیکن چونکہ اجنبیت کی دیوار ابھی تک میری حدوں پر سینہ تانے کھڑی تھی۔ اس لئے میں خواہش ہونے کے باوجود کچھ نہ کر سکا۔۔۔۔۔۔ البتہ اتنا ضرور پوچھ لیا:۔۔۔۔۔۔

یہاں سے رخصت ہونے کے بعد اگر پھر کبھی آپ سے ملاقات کو دل چاہے تو کیا صورت ہو سکتی ہے" ——

وہ ایک منٹ تک سوچتی رہی —— پھر جواب دیا ——

"روزانہ شام کو پاپا اپنی لیبارٹری میں چلے جاتے ہیں اور تقریباً چار گھنٹے تک لیبارٹری ہی میں رہتے ہیں —— اس دوران میں چونکہ میں اکیلی رہتی ہوں۔ اس لئے آپ چاہیں تو اس وقت مجھ سے ملنے کے لئے یہاں تشریف لا سکتے ہیں" ——

"لیکن آپ کے پاپا کو علم ہو گیا۔ تو وہ ناراض ہونگے —— اور جب میں اس مکان پر آؤں گا تو ناممکن ہے کہ ان کو علم نہ ہو" ——

"ہاں یہ بات تو ہے" —— اس نے اپنے سینے پر پڑی ہوئی چوٹی سے کھیلتے ہوئے کہا —— "مرداں یقیناً اُن کو خبر پہنچا دے گا —— اور پاپا آپ سے مل کر کچھ خوش نظر نہیں آتے" ——

"یہی اندازہ میرا ہے —— تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ اب ملاقات ناممکن ہے" ——

"نہیں" —— اس نے جلدی سے کہا —— "ناممکن کوئی چیز نہیں ہے۔ اگر آپ کے آنے کا وقت اور دن مقرر ہو۔ تو میں مکان سے باہر کچھ فاصلے پر آپ کا انتظار کر لیا کروں گی" ——

اس کے منہ سے یہ الفاظ سُن کر میری مسرت کی انتہا نہ رہی میں نے جوشِ مسرت سے بے قابو ہو کر اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا ——

"سچ !! —— سلومی کیا تم واقعی میرا انتظار کر سکتی ہو؟"

جواب میں اس نے اپنی بڑی بڑی چمکیلی آنکھیں میری آنکھوں میں ڈال دیں اور مسکرا کر نہایت بے تکلفی سے کہا ———

"ہاں ——— میں تمہارا انتظار کر سکتی ہوں" ———

اور میں نے اُن بدمست نگاہوں کی شہ پا کر اس کی صندلی ہتھیلیاں کو چوم لیا ———

وہ شرما گئی۔ تو میں نے سوال کیا

"کچھ خفا تو نہیں ہوئیں آپ! میری اس جرأت رندانہ پر ——— ؟

"نہیں" ——— اس نے بہت ہلکی آواز میں کہا ——— اور اپنے ہاتھ کھینچ لئے ———

میری یہ حرکت بغیر کسی دشواری اور بغیر کسی ارادہ کے اظہار محبت کا ذریعہ بن گئی۔ جس مشکل کو میں شاید ہفتوں اور مہینوں سوچکر بھی حل نہ کر سکتا وہ سلوی کی بے تکلفی نے منٹوں میں حل کر دی تھی ———

وہ طوفان جواب سے کچھ دیر پیشتر میرے سینے میں اُٹھ رہا تھا اب بالکل ساکن ہو چکا تھا۔ کیونکہ اب سلومی سے یہ آخری ملاقات نہیں تھی بلکہ مجھے یقین ہو گیا تھا کہ سلوی بھی مجھ سے ملنے کے لئے بیتاب رہے گی ———

اب میرے دل کو یہ اطمینان ہو گیا تھا۔ کہ سلوی کی عنبریں زلفوں کے سائے میرے تپتے ہوئے جذبات پر سایہ کرنے کے لئے موقعہ بموقعہ ملتے رہینگے وقت چونکہ تنگ تھا ——— مجھے خوف تھا۔ کہ نہ جانے کس وقت وہ خطرناک ڈاکٹر محمود کے ساتھ باتیں کرتے کرتے اکتا جائے اور ہمیں رخصت کرنے کی ٹھان لے۔ چنانچہ میں نے سلومی سے کہا ———

"تو میں ہر تیسرے روز تم سے ملنے آیا کروں گا" ———

"اور میں رہگذار پہ آنکھیں بچھائے تمہارا انتظار کیا کرونگی ــــ ؟
اس نے اپنی نشیلی آنکھیں جھپکاتے ہوئے کہا ـــــ ۔ اور میں اس کے اس انداز پہ لوٹ پوٹ ہو کر رہ گیا ـــــــ

"اچھا چلو تمہیں لیبارٹری تو دکھادوں" ـــــ اس کے یکایک اٹھتے ہوئے کہا ــــــ

"چلئے ــــ سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے" ـــ میں نے اٹھتے ہوئے کہا ـــــ

"بڑے دلچسپ آدمی ہیں آپ بھی! جبھی تو" ـــــ ؟ وہ نہ جانے کیا کہتے کہتے رک گئی ـــــ

"ہاں؛ جبھی تو کیا ــــ ؟ ــــ آگے کہئے نا؟" ـــــ میں نے مسکرا کر سوال کیا ـــــ

"کچھ نہیں بس"! ــــ وہ شرما گئی ــــ "چلئے! پہلے لیبارٹری دیکھ لیجئے۔ اس کے بعد دوسری باتیں کریں گے ـــــ!

ـــــــــــ

باب ۵

رُخصت

ہم دونوں آگے پیچھے چلتے ہوئے دو تین کمروں سے گذرنے کے بعد لیبارٹری کے کمرے میں پہنچ گئے ـــــــ

لیبارٹری بالکل ویسی ہی تھی جیسا میں نے اپنے ذہن میں اندازہ لگایا تھا ـــــــ مختلف قسم کے سانپوں اور دوسرے زہریلے جانوروں کے شیشے کے ٹیوب اور مرتبان وغیرہ ایک جانب نہایت سلیقہ سے رکھے تھے ـــــــ ایک جانب بہت سے زہروں کی شیشیاں ترتیب سے سجی ہوئی تھیں ـــــــ مختلف قسم کے آلات اپنی اپنی موزوں جگہ پر نصب تھے ـــــــ غرض مجموعی طور پر بڑی دلچسپ لیبارٹری تھی ـــــــ

"لیبارٹری کیا ہے اچھا خاصہ عجائب گھر ہے" ـــــــ میں نے سانپوں کو دیکھتے ہوئے سلومی سے اپنی رائے ظاہر کی ـــــــ

"جی ہاں! عجائب گھر بھی اور تھوڑا سا چڑیا گھر بھی" ـــــــ اس نے

ہنس کر کہا

"یہ سانپ کافی خطرناک اور قیمتی معلوم ہوتے ہیں" ؟ میں نے پھر اس سے سوال کیا

"جی ہاں! ـــــ پاپا نے ہزاروں روپیہ صرف کر کے یہ سانپ حاصل کئے ہیں ـــــ ان میں بہت سے غیر ملکی سانپ بھی ہیں؛ ـــــ

"معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو بھی سانپوں سے کافی دلچسپی ہے" ـــــ میں نے اس کی جانب گہری گہری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا ـــــ

"بہت زیادہ" ـــــ اس نے اپنے الفاظ کو جما جما کر کہا ـــــ "یہ تمام سانپ میرے دوست ہیں ـــــ پاپا تو انھیں ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ لیکن میں" ـــــ ابھی وہ لفظ "میں" ہی کہنے پائی تھی کہ یکایک ڈاکٹر زبیر کی گرجدار آواز نے ہم دونوں کو چونکا دیا ـــــ وہ ہمیں بلا رہے تھے

"آئی پاپا جی" ـــــ سلومی نے ڈاکٹر کی آواز کا جواب دیا ـــــ اور پھر مجھ سے کہا ـــــ "چلئے! پاپا بلا رہے ہیں" ـــــ

"چلئے"! ـــــ میں نے جواب دیا ـــــ اور ہم دونوں لیبارٹری سے باہر نکل آئے ـــــ لیکن میرا ذہن سلومی کے اس فقرے میں ہی الجھا رہا۔ جو وہ پورا نہ کر سکی ـــــ میں سوچتا رہا۔ کہ خدا جانے وہ آگے کیا کہنا چاہتی تھی ـــــ

کھانے کے کمرے کے باہر ڈاکٹر زبیر اور محمود ہمارا انتظار کر رہے تھے۔

"چلو بھئی اسلم! ـــــ اب چلنے کا ارادہ نہیں ہے" ـــــ ؟ محمود نے مجھے دیکھ کر ہنستے ہوئے کہا ـــــ

"چلئے! ـــــ میں تو بالکل تیار ہوں" ـــــ

ہم دونوں نے اپنی اپنی رائفلیں کندھوں پر لٹکائیں ـــــ اور ڈاکٹر زبیر سے ہاتھ ملا کر رخصت ہو گئے ـــــ مردان اور سلومی ہمیں راستہ بتانے کے لئے ساتھ تھے ـــــ

اس مرتبہ ہمارے رہنماؤں نے وہ راستہ اختیار نہیں کیا۔ جس سے ہم اس مکان میں داخل ہوئے تھے بلکہ کوٹھی کی پشت پر سے جاتی ہوئی ایک چھوٹی سی پگ ڈنڈی پر ہو لئے ـــــ اور کوئی تین چار فرلانگ چلنے کے بعد ہی ہم اس جنگل سے گذرتی ہوئی ایک پرانی سڑک کے کنارے پہنچ گئے۔ البتہ سڑک سے کوئی ایک فرلانگ پیچھے ہمیں ایک پگڈنڈی کے خاتمے پر اسی طرح بیٹھ کر ضرور گذرنا پڑا تھا۔ جس طرح ہم اس حد میں داخل ہوئے تھے ـــــ یعنی یہ اس پراسرار مکان کی حدود میں داخل ہونے کا چور دروازہ تھا ـــــ

سڑک پر پہنچنے کے بعد ہم نے چاروں طرف نظر دوڑا کر دیکھا۔ تو پگ ڈنڈی کا جس سے ہم ابھی آئے تھے کہیں نام و نشاں بھی نہ تھا ـــــ نہ ہی کوئی اور رستہ تھا ـــــ بلکہ ہم ایک گنجان جنگل میں کھڑے ہوئے تھے جس کے بیچ میں سے گذرتی ہوئی ایک پرانی سڑک خدا جانے ہمیں کہاں پہنچانے کا ارادہ رکھتی تھی ـــــ

سڑک بالکل غیر مستعمل معلوم ہوتی تھی ـــــ یعنی گاڑیوں یا آدمیوں کے چلنے کے نقوش اس پر بالکل نہیں تھے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے برس ہا برس سے اس سڑک پر کسی انسان کے قدم نہیں پڑے ـــــ امتداد زمانہ سے جا بجا چھوٹے چھوٹے گڑھے ضرور پڑ گئے تھے ـــــ جن پر خزاں رسیدہ پتوں کا اچھا خاصہ بستر سا بچھا ہوا تھا ـــــ سڑک کے دونوں جانب چونکہ دو رویہ درخت

کھڑے ہوئے تھے ۔ اس لئے وہاں کسی سڑک کی موجودگی کا پتہ بھی چلتا تھا ــــــ
ورنہ یہ معلوم ہی نہ کیا جا سکتا تھا کہ یہاں کوئی سڑک بھی ہے یا نہیں ــــــ
سڑک پر پہنچنے کے بعد مردان نے جنوب کی جانب انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے
کہا ــــ آپ اس جانب سڑک پر سیدھے چلے جائیں گے تو کوئی پانچ میل چلنے
کے بعد یہ جنگل ختم ہو جائے گا ۔ سڑک جنگل میں آدھے میل اس طرف ہی ختم ہو گئی
ہے ۔ لیکن آپ کوئی فکر نہ کریں بلکہ سیدھے جنوب کی جانب بڑھتے رہیں ۔ امید
ہے کہ بغیر کسی الجھن کے آپ اپنا صحیح راستہ تلاش کر لیں گے ــــــ
جنگل ختم ہو جانے کے بعد آپ کو دو تین میل جنوب کی سمت میں ہی اور
پیدل چلنا پڑے گا ۔ اس طرح آپ گوبند پور نام کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں
پہنچ جائیں گے ۔ اور گاؤں کے مغرب والی سڑک پر سے اکثر موٹریں گذرتی رہتی
ہیں ۔ آپ ان میں سے کسی ایک کے ذریعہ شہر پہنچ سکتے ہیں ــــــ شہر گاؤں
سے تقریباً تیس میل دور ہو گا" ــــــ
مردان نے پوری بات اس تفصیل سے بتائی کہ ذہن میں نقش ہو گئی ــــ
ہم دونوں نے ان دونوں کا شکریہ ادا کیا اور رخصتی مصافحہ کرتے ہوئے جانے
کی اجازت طلب کی ــــ
سلومی نے محمود سے ہاتھ ملانے کے بعد میرے ہاتھ میں اپنا ملائم ہاتھ دیتے
ہوئے نہایت دبے ہوئے لہجہ میں کہا ــــ
"جہاں سے ہم بیٹھ کر اس جھاڑیوں والے حصار سے نکلے تھے ــــــ
میں وہی جگہ روز تمہارا ٹھیک ساڑھے پانچ بجے انتظار کیا کروں گی ــــــ
اس سڑک کے سامنے والا یہ برگد کا تناور درخت یاد رکھنا ۔ اسی جگہ سے ہماری
کوٹھی کو راستہ مڑتا ہے ــــ اور یہ بھی یاد رکھنا کہ کار یہاں تک ہی آجاتی ہے ۔

کیونکہ جنگل شروع میں زیادہ گھنا نہیں ہے اور آگے آکر یہ سڑک شروع ہو جاتی ہے ــــ سڑک پر سوکھی پتیاں پڑی رہنے کے باعث کسی موٹر کے آنے جانے کے نشانات بھی نہیں بنتے"ــــ

وہ کہتی رہی اور میں خاموشی سے اس کی بات سنتا رہا۔ درمیان میں اس لئے نہیں بولا کہ خواہ مخواہ سوال و جواب میں زیادہ وقت صرف ہو گا ــــ اور ایسی گفتگو کے لئے موقعہ بالکل نہیں تھا ــــ مردان بھی اپنے آقا ڈاکٹر زبیر سے کچھ کم خطرناک نہیں تھا ــــ وہ تو یہ کہئے کہ میرا دوست محمود بہت چالاک اور سمجھ دار آدمی ہے۔ اس نے رخصت کے وقت مجھے اور سلومی کو بات چیت کا موقعہ دینے کے لئے مردان کو الٹی سیدھی باتوں میں لگا لیا اور ذرا ہم سے دو چار قدم دُور کے فاصلے تک اُسے لے گیا ــــ

"اچھا تو میں پرسوں ضرور آؤنگا ــــ کل شاید نہ آسکوں اس لئے انتظار کی تکلیف اٹھانے کی حاجت نہیں"ــــ

"بہت اچھا ــــ میں پرسوں انتظار کرونگی"ــــ

"او سلومی!" ــــ میں نے اس کے دونوں گرم گرم ہاتھ اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے لیتے ہوئے کہا ــــ

"میں تمہارا کس قدر شکر گزار اور احسان مند ہوں، الفاظ میں بیان نہیں کر سکتا ــــ سچ مانو تم نے مجھ پر جادو کر دیا ہے ــــ خدا جانے یہ دو دن میں تمہارے بغیر کس طرح گذارونگا"ــــ

"اچھا اب زیادہ نہ بناؤ" ــــ اس نے شرمیلی نگاہوں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا ــــ اور اپنا ہاتھ میرے ہاتھوں سے نکال کر ذرا بلند آواز سے کہا ــــ

"اچھا اسلم صاحب اجازت دیجئے۔ آپ سے مِل کر کافی مسرّت حاصِل ہوئی شاید پھر کبھی ملاقات ہو سکے"۔۔۔۔۔ یہ بات اس نے بلند آواز سے اس لئے کہی تھی۔ کہ مردان محمود سے بات چیت ختم کر کے اب ہماری جانب متوجہ ہو گیا تھا چنانچہ میں نے بھی بلند آواز میں جواب دیا۔۔۔۔۔

"اچھا محترمہ! خدا حافظ"۔۔۔۔۔ اور جلدی سے مردان کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔۔۔۔۔

"اچھا میاں مردان!۔۔۔۔۔ خدا حافظ۔ ڈاکٹر صاحب سے ہمارا اسلام کہہ دینا"۔۔۔۔۔

اس کے بعد ہم لوگ جنوب کی جانب سڑک پر چل پڑے۔

کچھ دُور چل کر میں نے مُڑ کر دیکھا سلومی کھڑی ہوئی ہمیں حسرت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ آخر ایک معمولی سے موڑ پر وُہ ہماری نظروں سے اوجھل ہو گئی اور میرے منہ سے ایک لمبا سا سرد سانس نِکل گیا۔۔۔۔۔

"کیوں بہت تکلیف ہو رہی ہے"۔۔۔۔۔؟ محمُود نے مجھے ٹھنڈے سانس بھرتے ہوئے دیکھ کر پُوچھا۔۔۔۔۔

"ہاں۔۔۔۔۔ سچ مچ تکلیف ہو رہی ہے"۔۔۔۔۔ میں نے جواب دیا۔۔۔۔۔ "تم ٹھیک کہتے تھے محمود!۔۔۔۔۔ سلومی واقعی میرے ذہن پر چھائی چلی جا رہی ہے اس وقت اس سے رخصت ہو جانے پر مجھے کافی صدمہ پہنچا ہے"۔۔۔۔۔

محمود نے ایک زوردار قہقہہ مارا۔ اور میری پیٹھ پر دھپ سے ایک دھول جماتے ہوئے ذرا ناٹک والے انداز میں کہا۔۔۔۔۔

"اسی لئے تو کہا تھا بیٹا۔ کہ۔۔۔۔۔ انکھیاں کسی سے ملانا نا"۔۔۔۔۔

اور پھر ذرا سنجیدہ ہو کر پُوچھا۔۔۔۔۔

پھر اُس نے کوئی شبہ بھی دی ہے یا نہیں"؟

"ہاں!" میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ "اُس نے کہا ہے کہ وہ پرسوں سڑک کے کنارے اسی جگہ میرا انتظار کرے گی جہاں ہم اس سے رخصت ہوئے ہیں"۔

"پھر تو شکار پھنس گیا"۔ اس نے تعریفی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"لیکن برخوردار ذرا اس خطرناک انسان ڈاکٹر زبیر سے بچ کر رہنا"۔

"وہ میرا کیا کر سکے گا"۔ میں نے لاپرواہی سے کہا۔

"کیوں؟ اس لاش کو بھول گئے جو ہمیں کل شام درخت کے نیچے پڑی ہوئی ملی تھی"۔ محمود نے طنزاً کہا۔

میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس لاش سے ڈاکٹر زبیر کا کیا واسطہ"؟

"واسطہ کیوں نہیں"۔ محمود نے جلدی سے جواب دیا۔ "تم بھول رہے ہو کہ ڈاکٹر زبیر زہروں کا ماہر ہے۔ اور مقتول کی لاش سے ہمیں پتہ چل چکا ہے کہ اُسے کسی زہریلے جانور یا جنگلی جانور نے قتل نہیں کیا بلکہ کسی عجیب و غریب ذریعہ سے اس کی موت عمل میں آئی ہے"۔

محمود کا استدلال چونکہ تمام وسوسوں اور خیالات پر بھاری تھا۔ اس لئے مجھے بھی اس کا ہمنوا ہونا پڑا۔ واقعی اس میں ڈاکٹر زبیر کا ہی ہاتھ ہو سکتا تھا کم از کم ہندوستان میں تو ایسا کوئی زہریلا جانور نہیں ہوتا جس کے دانت انسانوں جیسے ہوتے ہوں اور وہ خود اس قدر زہریلا ہوتا ہو کہ آدمی ایک منٹ سے زیادہ زندہ نہ رہ سکے۔

ڈاکٹر زبیر کے متعلق میرے اندازے شروع ہی سے اس کو خوفناک ثابت کر رہے تھے۔ اس لئے یہ الزام بھی اس پر بڑی خوبی سے چسپاں ہو گیا۔ بلکہ مجھے یقین ہو گیا کہ ضرور اس نوجوان کو ڈاکٹر زبیر نے ہی قتل کیا ہو گا۔

"پھر بھی" اب تمہاری کیا رائے ہے؟ ڈاکٹر زبیر نے اس بدنصیب نوجوان کو کس طرح زہر دیا ہوگا"۔۔۔۔ میں نے محمود سے سوال کیا۔

"بھئی! اس وقت تک جو کچھ میں سوچ سکا ہوں" محمود نے چلتے چلتے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔۔۔ "میرا خیال یہ ہے کہ ڈاکٹر زبیر کے پاس انسانی دانت نما کوئی ایسا آلہ ہوگا۔ جو انسان کے جسم میں پیوست ہو سکے۔۔۔ ڈاکٹر زبیر کسی بھی بدنصیب کو قتل کرنے سے پیشتر اس آلے کے مصنوعی دانتوں پر کسی خوفناک سانپ کا زہر لگا لیتا ہوگا جس کے اثر سے انسان فوراً ختم ہو جاتا ہو گا۔۔۔۔ اور۔۔۔"

"لیکن اگر ذرا سی دیر کے لئے تمہاری بات تسلیم بھی کر لی جائے"۔۔۔۔ میں نے اسکی بات کاٹ کر کہا۔۔۔۔ "تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ ڈاکٹر زبیر اس سے پہلے بھی کچھ قتل کر چکا ہوگا۔ اور آئندہ بھی موقعہ پڑنے پر قتل انسانی سے دریغ نہ کریگا۔ اس کے علاوہ ایک سوال یہ اٹھتا ہے کہ دانتوں نما آلہ ہی استعمال کر کے وہ اس قدر الجھن میں کیوں پڑتا ہے۔ زہر کسی کھانے والی چیز میں کیوں نہیں کھلاتا۔ یا زہر کے انجکشن دے کر کیوں نہیں مار ڈالتا"۔۔۔

محمود نے جواب دیا۔۔۔ "تمہاری پہلی بات کا جواب تو یہ ہے۔ کہ کم از کم میرا اندازہ یہ ضرور ہے کہ ڈاکٹر زبیر عادی قاتل ہے اور رہی دوسری بات کہ وہ زہر دوسرے طریقوں سے استعمال کیوں نہیں کرتا۔ اس کے متعلق بہتر وہی جان سکتا ہے۔ پھر بھی قرین قیاس یہ ہے کہ یہ آلے والا طریقہ ہی سب سے بہتر ہے وجہ یہ کہ اگر کسی کو رفتہ رفتہ مارنا ہو۔ تو کھانے میں زہر دیا جا سکتا ہے۔ انجکشن کوئی

بدنصیب اپنی خوشی سے نہیں لے سکتا۔ جب تک وہ اتفاقیہ طور پر بیمار نہ پڑ جائے اور دوا کا انجکشن کہہ کر دھوکے سے اس کے جسم میں زہر نہ داخل کر دیا جائے۔ ایسی صورت میں ڈاکٹر زبیر کسی کو فوراً ہلاک کرنا چاہے تو کیا کرے ؟ جب کہ قتل کے الزام سے اپنا دامن بچانا بھی ضروری ہو۔

چنانچہ ایسے وقت وہ آلہ ہی بہترین ثابت ہو سکتا ہے۔ مثلاً اس نوجوان کو ہی قتل کرنے میں یہ صورت پیش آئی ہو گی۔ کہ ڈاکٹر نے پہلے اس دانتوں کی شکل کے خوفناک لیکن عجیب و غریب آلہ قتل پر کوئی نہایت مہلک زہر لگا کر اُسے جیب میں محفوظ رکھ لیا ہوگا۔ وہ زہر یقیناً اس قدر خوفناک ہو گا کہ آدمی کے جسم میں داخل ہونے کے ایک منٹ بعد ہی اُسے ہلاک کر دے۔ اس کے بعد ڈاکٹر اس بدنصیب نوجوان کو اپنے ساتھ کسی بہانے سے اس جگہ لایا۔ جہاں مقتول کی لاش ہمیں ملی تھی۔

بہانہ غالباً اس نے گھومنے کا کیا ہوگا یا جنگل میں کوئی عجیب چیز دکھانے کا۔ بہر حال اس بھیانک جنگل میں ڈاکٹر زبیر نے چپکے سے اپنی جیب سے وہ آلہ نکال کر اس کے بازو میں پیوست کر دیا۔ اور اس آلے کے مصنوعی دانتوں نے جن پر پہلے ہی سے زہر لگا ہُوا تھا جلد کے اندر گھس کر خون میں زہر شامل کر دیا۔ اس طرح وہ نوجوان بغیر کسی جدوجہد کے موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔ یعنی اس غریب کو جان دینے سے ایک منٹ قبل تک یہ علم نہ ہو سکا کہ وہ قتل کرنے کے لئے وہاں تک دھوکہ سے لایا گیا ہے ـــــ اور جنگل میں لا کر قتل کرنے سے اس کا مقصد یہ ہو گا کہ اگر کوئی اجنبی شخص اس کی لاش کو دیکھ بھی لے تو یہی سمجھے کہ کسی درندے یا زہریلے جانور کا شکار ہو گیا ہے۔ ورنہ اس کی لاش کو گیدڑ وغیرہ کھا جائیں "۔

"بہت خوب"! میں نے محمود کی مدلل تقریر سن کر کہا۔ میرے خیال میں تمہیں ـــ

ضرور سراغ رساں ہونا چاہیئے تھا۔ یا کم از کم وکیل ہی ــــ کیونکہ صرف قیاس کی بنا پر ایسے معقول استدلال تلاش کر لینا کسی سراغرساں یا وکیل ہی کا کام ہو سکتا ہے۔ کم از کم میرے ذہن میں تو اس آلہ کا تصور تک نہیں آیا تھا۔ جیسے تمہارے دماغ نے تخلیق کر لیا۔ لیکن ذرا یہ تو بتاؤ۔ کہ وہ آلہ ہو گا کس قسم کا ــــ؟

"بڑا معمولی سا" ــــ محمود نے جواب دیا "زنبور کی شکل سے ملتا جلتا۔ جس کے منہ پر دونوں جانب کسی طرح کے مصنوعی دانت لگوائے گئے ہوں گے۔ اور جس طرح زنبور سے آپ کوئی بھی چیز پکڑ سکتے ہیں۔ اسی طرح اس آلہ سے کوئی بھی چیز پکڑ کر اٹھا سکتے ہونگے۔ یا انسانی جسم کا کوئی نرم حصہ اس میں دبا کر وہ مصنوعی دانت اندر جسم میں پیوست کئے جا سکتے ہونگے" ــــ

محمود کی بات چونکہ بالکل ذہن میں بیٹھ جانے والی تھی۔ اس لئے میں بھی اس کی فہم و فراست کا قائل ہو گیا اور مجھے بھی محمود کی طرح یقین ہو گیا کہ اس مقتول نوجوان کی بھی موت کا باعث ڈاکٹر زبیر ہی ہوگا۔ یکایک مجھے انگوٹھی کے اس نگینہ کا خیال آیا۔ جو مقتول کی لاش کے قریب ہمیں پڑا ہوا ملا تھا۔ لیکن چونکہ اس وقت تک ہیرے کے اس نگینے سے متعلق کوئی بات معلوم نہ ہو سکی تھی۔ اس لئے وہ ابھی تک بے کار شے تھا۔ قتل کی وہ مفروضہ کہانی جو محمود کے ذہن نے بکھرے ٹکڑوں کو ترتیب دے کر بنائی تھی۔ وہ ہیرے کا نگینہ اس میں کہیں فٹ ہی نہ آتا تھا۔ بہر حال یہ ہم دونوں نے متفقہ فیصلہ دے دیا تھا کہ ڈاکٹر زبیر قاتل

باتوں ہی باتوں میں راستہ ختم ہو گیا اور ہمیں پتہ بھی نہ چلا۔ اس وقت ہم مردان کے بتائے ہوئے نشانات کے مطابق جنگل سے باہر نکل آئے تھے۔ آدھے گھنٹے بعد ہی ہم دونوں گوبند پور نام کے اس چھوٹے سے گاؤں میں پہنچ گئے۔ اور

وہیں سے ایک گذرتی ہوئی موٹر کو۔ روک کر اور زیادہ کرایہ دینے کا لالچ دے کر ہم بخیر و عافیت شہر میں محمود کی کوٹھی پر پہنچ گئے۔

گھر پہنچکر معلوم ہوا کہ وہ ملازم جو شکار میں ہمارے ساتھ گئے تھے رات بھر ہمیں ڈھونڈتے پھرے۔ آخر مجبوراً صبح کو کار اور تمام سامان لے کر واپس کوٹھی پر آگئے۔ پورے گھر میں ہمارے غائب ہو جانے سے بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ آخر جب ہم بخیریت پہنچ گئے۔ تب سبھوں نے اطمینان کے سانس لیئے۔

باب ۶

راز و نیاز

تیسرے روز حسبِ وعدہ میں کار لے کر سلومی سے ملنے گیا۔ محمود میرے ساتھ تھا۔ تاکہ کسی مشکل کا سامنا ہو۔ تو کام آسکے۔ منزلِ مقصود پہ پہنچنے کے بعد کار ایک جانب کھڑی کر کے اور محمود کو کار میں چھوڑ کر میں آگے بڑھا۔ سلومی حسبِ وعدہ اپنے گھر کے احاطے میں داخل ہونے والے اس چور دروازے پر میری منتظر تھی مجھے دُور سے دیکھتے ہی خوشی کے مارے اس کا چہرہ دمک اٹھا اور وہ دوڑتی ہوئی آکر میرے سینے سے چمٹ گئی۔

"آگئے آپ ــــ؟ مجھے یقین تھا کہ تم ضرور آؤ گے" ـــ۔

"اپنا سب کچھ تو میں یہاں چھوڑ گیا تھا" ـــــ میں نے اس کی ریشمیں زلفوں سے کھیلتے ہوئے کہا ـــــ "آتا کیسے نہ" ـــــ؟

ہم دونوں ہاتھ ڈالے ہوئے ایک درخت کی موٹی سی شاخ پر جا بیٹھے جو زمین سے صرف تین چار فٹ کے فاصلہ پر تھی۔ میرا ہاتھ اس کی کمر میں حمائل تھا۔

اَور اس کا سر میرے شانے سے لگا ہؤا تھا۔

سلومی اس وقت سراپا محبت بنی ہوئی تھی۔ اس کی بڑی بڑی شعلہ بار نگاہوں میں بجلیاں سی کوندرہی تھیں۔ فرطِ مسرت سے سینے کا زیر و بم اس کے قابو سے باہر ہوا جا رہا تھا۔

اس روز اس نے مجھ سے دل کھول کر باتیں کیں۔ میرے اظہارِ محبت کا جواب محبت سے دیا۔ میرے ساتھ پوری زندگی گذارنے کی خواہش ظاہر کی۔ کچھ عہد و پیماں کئے۔ غرض نہ جانے کیا کیا کہا۔ مجھے یہ سب تفصیل اِس لئے یاد نہیں رہی۔ کہ خوشی کے مارے میں کبھی اپنے آپ کو بھول گیا تھا۔ اِس ملاقات میں میں صرف اس کے شگفتہ چہرے کو تکے گیا یا اس کی ریشمیں ہتھیلیوں کو چُومتا رہا۔

رخصت کے وقت میں نے اُس سے ایک تصویر کی فرمائش کی۔

"ابھی لائی" ___ اس نے مجھے ٹھہرنے کا اشارہ کیا اور دوڑتی ہوئی چور دروازے میں غائب ہو گئی۔

تقریباً پندرہ منٹ کے بعد ہی وہ واپس آئی۔ تو اس کے ہاتھ میں ایک تصویر تھی۔

"لیجئے اس وقت میری تنہا کی تو تصویر مل نہیں سکی"۔ اس نے وہ تصویر مجھے دیتے ہوئے کہا "یہ تصویر پاپا نے اور میں نے ساتھ کھنچوائی تھی یہ لے لیجئے ___ پھر کسی وقت اپنی کوئی تصویر آپ کے لئے ڈھونڈ رکھونگی"۔

"شکریہ!" میں نے اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام کر کہا۔ "یوں تو تمہاری تصویر میں نے اپنے دل میں اتار لی ہے۔ لیکن پھر بھی ظاہری آنکھوں سے کبھی کبھی تمہارا دیدار کرنے کے لئے یہ کافی رہے گی"۔ اور جھک کر میں نے اس کی دونوں برق پاش آنکھیں چُوم لیں۔

چونکہ وقت کافی ہو گیا تھا۔ اس لئے محمود نے ہارن بجا کر ہمیں مطلع کیا میں نے آخری بار سلمیٰ کے ہاتھ چومے۔ اور تیسرے روز آنے کا وعدہ کر کے واپس آگیا۔

باب ۷

ملاقات کا نشہ

اور یہ سلومی سے تیسری ملاقات کا ذکر ہے جب سابق محمود کار میں بیٹھا ہوا ہمارا انتظار کر رہا تھا۔ میں اور سلومی درخت کی اسی شاخ پر بیٹھے ہوئے گفتگو کرتے رہے۔ وقت زیادہ ہو جانے کے باعث میں نے سلومی سے رخصت چاہی۔ اور وداعی طور پہلی مرتبہ اس کے گلنار ہونٹوں پر ایک طویل بوسہ دیا۔ تقریباً پانچ منٹ تک وہ میرے بازوؤں میں سمٹی ہوئی میرے پیاسے ہونٹوں سے اپنے شہد آلودہ ہونٹ چپکائے کھڑی رہی اور میں جیسے اس کی جوانی کی مستیاں پیتا رہا۔

محمود کے ہارن نے ہمیں چونکا دیا ——

"ظالم کہیں کا" میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ اور سلومی سے ہاتھ ملا کر کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ محمود نے گاڑی اسٹارٹ کر دی۔ سلومی گاڑی کے ایک چھوٹے موڑ پر گھومنے تک کھڑی ہوئی ہاتھ ہلاتی رہی —— اور میں اسے کار کے پچھلے شیشے میں سے جھانک کر دیکھتا رہا۔

لیکن دس پندرہ منٹ بعد جب ہم اس جنگل سے نکل کر شہر جانے والی سڑک پر آئے تو یکایک میرے دل میں کچھ گھبراہٹ سی پیدا ہوئی اور ایسا محسوس ہُوا جیسے مجھ پر کسی تیز شراب کا نشہ چھایا جا رہا ہو۔

میں نے محمود سے ذکر کیا۔ تو اس نے ہنس کر کہا "جی ہاں! آپ کو نشہ کیوں نہ ہو گا۔ محبوبہ سے ملاقات کر کے آ رہے ہیں نہ"

جواباً میں ہنس کر رہ گیا۔ لیکن دماغ پر وہ نشہ کی کیفیت بڑھتی چلی گئی۔ اور مجھے غنودگی سی محسوس ہونے لگی —— میں پچھلے گدے کا سہارا لے کر نیم دراز سا ہو گیا اور تقریباً پانچ منٹ بعد ہی غالباً مجھے نیند آ گئی۔ کیونکہ اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ میں کب گھر پہنچا۔ اور کس طرح پہنچا۔

باب ۶

نیند یا بے ہوشی

دوبارہ میری آنکھ کھلی تو میں اپنے کمرے میں پڑا ہُوا تھا۔ اور وکٹوریہ ہسپتال کے سرجن مسٹر گھوش مجھ پر جھکے ہوئے کھڑے تھے۔ پیروں کی جانب محمود بھی کھڑا تھا۔ جس کے چہرے سے تشویش کے آثار ظاہر تھے۔ میں حیران ہو کر جلدی سے اٹھ کر بیٹھ گیا کہ آخر یہ کیا معاملہ ہے۔ مجھے کیا حادثہ پیش آگیا ہے۔ جو اس طرح یہ دونوں حضرات مجھے دیکھ رہے ہیں۔

"نہ ۔۔۔ نہ ۔ اٹھ کر نہ بیٹھو اسلم! ابھی لیٹے رہو" ڈاکٹر گھوش نے مجھے پکڑ کر دوبارہ لٹاتے ہوئے کہا: "کہو طبیعت تو ٹھیک ہے اب ۔۔۔؟"

"طبیعت ۔۔۔؟" میں نے حیرت سے ڈاکٹر گھوش کو گھور کر دیکھا۔ اور کہا "یہ طبیعت میری خراب ہی کب تھی ۔۔۔؟"

ڈاکٹر گھوش میرا جواب سُن کر مسکرا دیئے اور محمود کی جانب دیکھ کر بولے لیجئے جناب! اب آپ کے اسلم صاحب درست ہو گئے ہیں۔ اب تو آپ کو

اطمینان ہو گیا۔"

"جی ہاں، شکریہ!" محمود نے ہنس کر جواب دیا ——

اُس وقت مجھے پہلی مرتبہ یاد آیا۔ کہ میں کار میں سو گیا تھا ——

"لیکن معاملہ کیا ہے؟" میں نے محمود سے سوال کیا۔ "ڈاکٹر گھوش کو کیوں تکلیف دی ہے تم نے؟"

"جناب آپ کار میں بیٹھے بیٹھے بے ہوش ہو گئے تھے۔ اِس لئے ڈاکٹر گھوش کو تکلیف دینی پڑی" —— محمود نے جواب دیا ——

"بے ہوش ہو گیا تھا! —— ؟ میں ایک مرتبہ پھر حیرت سے اچھل کر بیٹھ گیا۔ "میں تو صرف ذرا سو گیا تھا۔"

"جی ہاں صرف ذرا سو گئے تھے۔" محمود نے میرا منہ چِڑا کر ہنستے ہوئے کہا۔ "آپ کی لاش کو کار میں سے اٹھا کر یہاں لا کر ڈالا۔ ڈاکٹر گھوش نے دو، ا انجکشن دیئے ٹیسٹ کرنے کے لئے آپ کا خون حاصل کیا۔ لیکن آپ کی آنکھ ہی نہ کھلی۔ کیا آپ گھوڑے بیچ کر سوئے تھے" —— ؟

"کیا واقعی یہ سب کچھ ہوا ہے" —— ؟ —— میں نے ڈاکٹر گھوش سے استفسار کیا۔

ڈاکٹر گھوش نے چشمے میں اپنی چھوٹی چھوٹی آنکھیں گھماتے ہوئے مسکرا کر اثبات میں سر ہلا دیا۔

"تو کیا ہو گیا تھا مجھے" —— ؟ میں نے دوسرا سوال کیا۔

"خون ٹیسٹ کر لوں۔ رزلٹ صبح بھیجوں گا۔" ڈاکٹر گھوش نے جواب دیا۔ پھر اس کے بعد میرے دل کی حرکت اور نبض دیکھ کر کہا۔ "ویسے اب تمہیں لیٹے رہنے کی ضرورت نہیں چل پھر سکتے ہو۔ اب تم بالکل درست ہو گئے ہو۔"

میں اُٹھ کر بیٹھ گیا۔ اتنے ہی میں چائے آ گئی اور ہم تینوں چائے پینے میں مصروف ہو گئے۔

ڈاکٹر گھوش وکٹوریہ ہاسپٹل میں اسٹاف سرجن ہیں۔ میرے اور ان کے بہت دنوں سے دوستانہ مراسم ہیں۔ بڑے سنجیدہ اور بڑے پر خلوص انسان ہیں وہ اور میں کئی سال تک مشترکہ طور پر زہریلے جانوروں اور ان کے زہروں سے متعلق ریسرچ کرتے رہے ہیں۔

بہت تجربہ کار اور صحیح الدماغ ڈاکٹر ہیں۔ کسی بھی چیز کے متعلق انکی رائے ہمیشہ وزنی ہوتی ہے اور زہروں کے معاملے میں تو وہ اپنا ثانی نہیں رکھتے۔

آخر تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد ڈاکٹر گھوش مصروفیت کا عذر کر کے واپس چلے گئے۔

باب ۹

ایک نیا راز

دوسرے دن ڈاکٹر گھوش نے بارہ بجے کے قریب ٹیلیفون کرکے مجھے بلایا میں فوراً ہسپتال پہنچ گیا۔ سلام دُعا اور کچھ رسمی باتوں کے بعد انہوں نے مجھ سے سوال کیا:۔

"کل دن بھر آپ کیا کرتے رہے ہیں۔ کہاں۔ کہاں آئے اور گئے ہیں۔ کس کس سے ملے ہیں۔ کیا کچھ کھایا پیا ہے۔ ذرا تفصیل سے بتائیں تو سہی"۔۔۔۔۔۔؟

"کیوں خیریت تو ہے"؟۔۔۔۔۔ میں نے مسکرا کر پوچھا۔۔۔۔ "کیا آپ یہاں سی۔آئی۔ڈی کے محکمہ کی خدمات انجام دینے لگے ہیں؟"

"یہ بعد میں بتاؤنگا"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔۔

"پہلے تم میرے سوالوں کا جواب دو"۔۔۔۔۔

"کل تو میں کہیں بھی نہیں گیا"۔۔۔۔ میں نے جواب دیا۔ دن بھر گھر میں پڑا ہوا کتابیں پڑھتا رہا۔ دوپہر کو محمود کے ساتھ کھانا کھایا۔۔ البتہ شام کو ایک

دوست سے ملنے ضرور گیا تھا۔"

"دوست سے یا محبوبہ سے؟" ——— ڈاکٹر گھوش نے ہنس کر کہا۔

"تو یہ کہئے کہ محمود صاحب آپ کو پہلے ہی سب کچھ بتا چکے ہیں"۔۔۔۔؟

میں نے جھینپتے ہوئے جواب دیا ———

"ہاں! کل انہوں نے مجھے ساری بات بتا دی تھی۔ کیا! لڑکی ہے وہ"۔۔۔؟

میں نے ڈاکٹر گھوش کو سلومی سے ملاقات کی پوری تفصیل سنائی اور ہماری محبت جن مدارج تک پہنچ چکی تھی وہ بھی سب کچھ بتا دیا۔

"بہت خوبصورت ہے"۔۔۔؟؟؟ ڈاکٹر نے پوری تفصیل سننے کے بعد شرارت سے سوال کیا۔

اور جواباً میں نے سلومی اور ڈاکٹر زبیر کی مشترکہ وہ تصویر جو اس نے مجھے دی تھی ڈاکٹر گھوش کے سامنے کردی۔

"آپ خود ہی دیکھ لیجئے"!

ڈاکٹر گھوش نے تصویر دیکھ کر کہا۔

"لڑکی تو واقعی حسین ہے" ——— لیکن پھر تصویر کو بڑے غور سے دیکھتے ہوئے وہ چونک سے پڑے اور کہا۔

"ڈاکٹر شیرازی!! ۔ کیا یہ شخص ڈاکٹر شیرازی ہے"۔۔۔؟

"نہیں ۔ ان کا نام ڈاکٹر زبیر ہے اور یہ اس لڑکی سلومی کے والد ہیں"۔۔۔

میں نے جواب دیا۔

"میں نہیں مان سکتا ۔ یہ شخص یقیناً ڈاکٹر شیرازی ہے" ——— مسٹر گھوش نے تصویر میرے سامنے کرتے ہوئے کہا ——— "اس کے ماتھے کا یہ نشان میرے شبہ کی تصدیق کر رہا ہے کہ یہ شخص ڈاکٹر شیرازی ہے" ———

"لیکن یہ ڈاکٹر شیرازی کون ذات شریف ہیں"——؟ میں نے حیران ہو کر سوال کیا۔

"ٹھہرو! تمہیں پوری تفصیل بتاتا ہوں"۔ انہوں نے تصویر میز پر رکھ دی۔ اور اپنی عینک اتار کر اس کے شیشے صاف کرتے ہوئے بولے۔

"اب سے سترہ یا اٹھارہ سال بیشتر کی بات ہے۔ جب میں کلکتہ میں پریکٹس کیا کرتا تھا۔ اس زمانہ میں بھی مجھے زہریلے جانوروں اور انکے زہروں کے تجربات کرنے کا شوق تھا۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں ڈاکٹر شیرازی نام کے ایک شخص سے میری ملاقات ہوئی۔ وہ شخص تقریباً میرا ہم مزاج تھا۔ زہروں کے تجربات کا اُسے صرف شوق ہی نہیں تھا بلکہ جنون تھا۔ وہ کسی خاص تجربہ کے لئے دولت، محنت اور وقت ہر چیز کھول کر صرف کرنے کے لئے ہر وقت تیار رہتا تھا۔ وہ کہا کرتا تھا کہ اگر کسی تجربہ کے لئے مجھے کسی آدمی کو بھی قتل کرنا پڑے تو میں دریغ نہیں کرونگا۔

جس زمانے میں میری اس سے ملاقات ہوئی۔ ان دنوں وہ ایک لڑکی سے محبت کرنے لگا۔ اور آخر ایک سال کی جدوجہد کے بعد وہ اس سے شادی کرنے میں کامیاب ہو گیا۔

لیکن بعد میں مجھے پتہ چلا کہ وہ لڑکی اس سے بالکل محبت نہیں کرتی تھی۔ بلکہ ڈاکٹر شیرازی نے اسکے ماں باپ کو دولت وغیرہ کا لالچ دے کر یا اور کسی طریقہ سے انہیں مرعوب کر کے اس لڑکی سے شادی کر لی ہے۔ لڑکی کسی دوسرے نوجوان سے محبت کرتی تھی۔ اس بات کا ڈاکٹر شیرازی کو شادی کے بعد پتہ چلا۔ اور اتفاق سے وہ نوجوان اسی محلہ میں رہتا تھا جس میں شیرازی رہتا تھا۔

چنانچہ یہ افواہ سننے کے بعد کہ اس کی بیوی کسی دوسرے نوجوان سے محبت کرتی ہے وہ اس پر کڑی نگاہ رکھنے لگا۔ اور جب اس نے دو ایک مرتبہ اپنی آنکھوں

سے اس نوجوان اور اپنی بیوی کو باتیں کرتے دیکھ لیا۔ تو اس کا شک جنوں کی شکل میں تبدیل ہو گیا۔ انہیں دنوں اس کی بیوی حاملہ ہو گئی۔

مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ رقابت کے جنون نے اُن دنوں اُسے پاگل بنا دیا تھا۔ اس نے کئی بار مجھ سے کہا۔ ـــــ "ڈاکٹر گھوش! میری بیوی بے وفا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اسکے پیٹ میں یہ میرا بچہ نہیں ہے۔ بلکہ اس کے عاشق کا ہے۔ ڈاکٹر گھوش! میرے سینے میں حسد کی آگ بھڑکتی رہتی ہے۔ میں اس کم بخت کو جان سے مار دُونگا۔"

اور میں اس کی بات سُن کر ہر بار اُسے سمجھا دیتا کہ شیرازی بے وقوف نہ بنو۔ تم حسد میں اندھے ہو رہے ہو ـــــ یہ بچہ تمہارا ہی ہوگا۔ ایسی ہی تمہیں اپنی بیوی سے نفرت ہو گئی ہے تو اسے طلاق دے دو۔ اگر تم اُسے مار ڈالو گے تو خود بھی پھانسی کے تختے پر چڑھ جاؤ گے"! ـــــ

"افسوس! یہ بھی تو نہیں ہو سکتا۔" وہ افسردہ ہو کر سر ہلا کر کہتا ـــــ "مجھے اس کم بخت سے بہت زیادہ محبت ہے۔ میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔"

غرض وہ اکثر اسی قسم کی باتیں کیا کرتا۔

شادی کے ٹھیک آٹھ ماہ بعد اس کی بیوی کے لڑکی پیدا ہوئی ـــــ حالانکہ آٹھ ماہ میں بچہ پیدا ہو جانا کوئی ایسی بات نہیں ہوتی۔ لیکن "جلتی پہ تیل" کے مصداق ڈاکٹر شیرازی کے پاگل پن کو بڑھانے کے لئے یہ ایک اور خواہ مخواہ کا واقعہ ہو گیا ـــــ اب اُسے یقین ہو گیا۔ اس کی بیوی شادی سے پہلے ہی حاملہ ہو چکی تھی۔ اور یہ بچی اس کی نہیں ہے۔

تقریباً آٹھ دس ماہ تک کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا ـــــ البتہ ان دنوں ڈاکٹر شیرازی کھویا کھویا سا ضرور رہنے لگا تھا۔ اور کبھی کبھی ہفتوں کھلکتے

سے کہیں باہر غائب رہنے لگا۔

لیکن آٹھ ماہ بعد ایک روز عجیب واقعہ ہوا۔ میں ڈسپنسری میں بیٹھا ہوا تھا۔ دن کے دس بجے کے قریب میرے ایک دوست مسٹر شرما جو پولیس انسپکٹر تھے آئے اور انہوں نے خبر سنائی۔ کہ رات اپنے کمرے میں ڈاکٹر شیرازی کی بیوی مردہ پائی گئی ہے۔ اس کی بچی اور ڈاکٹر شیرازی لاپتہ ہیں۔ اس کے علاوہ اسی محلے کا ایک اور نوجوان بھی اپنے کمرے میں مردہ پایا گیا ہے۔ دونوں لاشیں پوسٹ مارٹم کے لئے ہسپتال بھیجدی گئی ہیں۔

یہ ہولناک خبر سن کر میں کرسی سے تقریباً اچھل پڑا اور ڈاکٹر شیرازی کا چہرہ میری آنکھوں میں گھوم گیا۔ میرے دل میں فوراً یہ یقین پیدا ہو گیا کہ وہ بدنصیب نوجوان ضرور وہی ڈاکٹر شیرازی کا رقیب ہو گا اور ان دونوں کا قاتل یقیناً ڈاکٹر شیرازی ہے۔ جو دونوں کو ہلاک کرنے کے بعد لڑکی کو لے کر کہیں بھاگ گیا ہے۔ لیکن جب وہ یہ سمجھتا تھا کہ یہ لڑکی اس کی نہیں ہے۔ تو وہ اس بچی کو اپنے ساتھ کیوں لے گیا ہے۔ یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی۔

دوسرے روز میں نے اپنے اسی انسپکٹر دوست کی معرفت پوسٹ مارٹم کا رزلٹ دریافت کیا۔ تو پتہ چلا کہ دونوں مقتولوں کو ایک ہی قسم کا کوئی نہایت مہلک زہر دیا گیا تھا۔ لیکن زہر رفتہ رفتہ دیا گیا ہے۔ یعنی ایک بارہی زہر استعمال کرنے سے ان کی موت واقع نہیں ہوئی۔ بلکہ کسی طرح سے زہر کی بہت ہلکی مقدار ان دونوں کو مہینوں سے متواتر کھلائی جا رہی تھی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ دونوں موت کا شکار ہو گئے۔

پولیس نے ڈاکٹر شیرازی اور اس کی لڑکی کو بہت تلاش کیا لیکن سراغ نہ مل سکا۔ مجبوراً خاموش ہو جانا پڑا۔ لیکن یہ سب کو یقین تھا کہ ان دونوں

بدنصیبوں کا قاتل ڈاکٹر شیرازی ہی تھا۔"

ڈاکٹر گھوش نے اپنی تقریر ختم کی۔ اور رومال نکال کر پیشانی سے پسینہ پونچھتے ہوئے ڈاکٹر زبیر کی تصویر کی جانب اشارہ کر کے کہا۔

"اور آج اٹھارہ برس کے بعد تمہارے اس ڈاکٹر زبیر کو دیکھ کر مجھے فوراً ڈاکٹر شیرازی یاد آ گیا۔ گو اس طویل عرصہ نے اس میں بہت کچھ تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں لیکن اس کی پیشانی پر کسی زخم کے اس امتیازی نشان نے مجھے یقین دلا دیا ہے کہ یہ شخص یقیناً ڈاکٹر شیرازی ہے۔ ورنہ اسے ایسے خوفناک جنگل میں بستی سے دور چھپ کر رہنے کی کیا ضرورت تھی۔"

"بڑی عجیب کہانی ہے"۔۔۔۔ میں نے سخت حیرت زدہ ہو کر کہا۔۔۔۔۔

"ہاں۔۔۔۔! بڑی حسرت ناک اور بھیانک!!"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے جواب دیا۔

"لیکن آپ نے میرے متعلق کیا نتیجہ نکالا۔ آخر شام کو اس طرح بے ہوش ہو جانے کا سبب"؟ میں نے اپنے مقصد کی طرف آتے ہوئے سوال کیا۔

"ارے ہاں"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے چونک کر جواب دیا۔ "اسی لئے تو میں نے تمہیں بلایا تھا۔ اور لطف دیکھئے۔ کہ باتوں میں اصلی مقصد کو بھول گیا۔

"خون وغیرہ ٹیسٹ کر لیا آپ نے۔۔۔۔؟ میں نے پوچھا۔

"سب کچھ کر لیا"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے جواب دیا۔

"پھر کیا نتیجہ نکالا"۔۔۔۔؟

"سچ بتا دوں"۔۔۔۔؟ ڈاکٹر گھوش نے پُر اسرار طور پر میری جانب گھورتے ہوئے کہا۔

"ہاں! اس میں چھپانے کی کیا بات ہے"؟

"تو سمجھ لیجئے۔ کہ آپ کو بہت ہلکی مقدار میں زہر دینے کی کوشش کی گئی تھی" لیکن چونکہ زہر مہلک تھا اس لئے مقدار بہت کم ہونے کے باوجود تھوڑا بہت کام کر گیا۔

ڈاکٹر گھوش کے منہ سے یہ الفاظ سن کر میں سناٹے میں رہ گیا۔ اس وقت مجھے مسٹر گھوش کے ان سوالوں کی اہمیت محسوس ہوئی۔ جو انہوں نے کمرہ میں داخل ہوتے ہی مجھ سے ایک سانس میں کہہ ڈالے تھے ——— میں نے نہایت توجہ کے ساتھ گذرے ہوئے دن کے ایک ایک لمحہ پر نظر ڈالی۔ لیکن کوئی ایسی مشکوک شئے نظر نہ آئی۔ جو مجھے کسی شخص کی جانب سے مشتبہ کرتی ———

"لیکن ڈاکٹر صاحب"! ——— میں نے جواب دیتے ہوئے کہا ——— " کل کے سارے دن کی ایک ایک تفصیل مجھے یاد ہے اور کوئی ذرہ بھر شئے بھی مجھے مشکوک نظر نہیں آتی۔ کم از کم مجھے ضرور اس بات کا یقین ہے کہ کوئی شخص میرا دشمن نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ہمیشہ میرا برتاؤ ہر شخص سے مخلصانہ ہوتا ہے" ———

"لیکن ایک بات آپ بھول رہے ہیں"۔ ڈاکٹر گھوش نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا۔

"اگر واقعتاً آپ کا سابقہ ڈاکٹر زہیر عرف ڈاکٹر شیرازی سے پڑا ہے تو اس قسم کے معمولی معمولی حادثے ظہور میں آنا کوئی حیرت کی بات نہیں وہ ڈاکٹر شیرازی جو اپنی محبوب بیوی اور اس کے چاہنے والے کو ایک نامعلوم زہر سے ہلاک کر کے اس طرح روپوش ہو سکتا ہے کہ پولیس تک اس کی تلاش میں ناکام رہ جائے۔ اس کے لئے کیا مشکل ہے کہ وہ اس لڑکی کی معرفت جس سے آپ محبت فرمانے لگے ہیں آپ کو کوئی سا زہر کھلا کر ہلاک کر دے" ——— میں نے ان کی بات کاٹ کر فوراً کہا ———

"لیکن اوّل تو یہ کہ وہ ڈاکٹر شیرازی ہو۔ دوئم یہ کہ لڑکی بھی اس کے شریک جُرم ہو۔ حالانکہ سلوی مجھ سے محبت کرنے لگی ہے۔ اور اپنے باپ کی غیر موجودگی میں مجھ سے چوری چوری ملاقاتیں کرتی ہے ـــــــ اس کے علاوہ اگر وہ دونوں باپ بیٹی ہمیں ہلاک ہی کرنا چاہتے تو اسی روز کھانے میں کوئی زہر کھلا کر ہمارا قصّہ پاک کر سکتے تھے۔ جب ہم ان کے مکان پر مقیم تھے اس طرح وہ آسانی سے ہماری لاشیں غائب کر سکتا تھا اور کسی کو علم تک نہ ہوتا۔

تمہاری دلیل کسی حد تک ٹھیک ضرور ہے" ـــــ ڈاکٹر گھوش نے میری لمبی چوڑی تقریر سے گھبرا کر آہستہ سے کہا ـــــ "واقعی یہ درست ہو سکتا ہے کہ اس لڑکی کو آپ سے محبت ہو گئی ہو۔ لیکن یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کا ڈاکٹر زیران تعلقات کو ناپسند کرتا ہو۔ تمہارے دونوں کے یک جا ہو جانے سے ممکن ہے اس کی کسی سوچی ہوئی تجویز میں خلل پڑتا ہو۔ چنانچہ وہ لڑکی کی توجہ آپ کی جانب دیکھ کر ظاہرا طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن خفیہ طور پر آپ کو ہلاک کر سکتا ہے۔ جس طرح اس نے اپنی بیوی اور اس کے محبوب کو بغیر کسی شک و شبہ کے ہلاک کر دیا تھا۔ یعنی معمولی مقدار میں زہر اس طرح ان دونوں کو کھلاتا رہا۔ کہ کسی کو جسمانی طور پر یک دم کوئی حادثہ بھی پیش نہیں آیا اور وقت مقررہ پر ایک دم دونوں ہلاک بھی ہو گئے ـــــ ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کے لئے وہ صورت اختیار کرنا چاہتا ہو۔ اب سوال یہ باقی رہ جاتا ہے کہ وہ آپ کو زہر کس ذریعہ سے استعمال کرانا چاہتا ہے یا کل کس طرح اس نے استعمال کیا۔ یہ ذرا غور طلب بات رہ جاتی ہے۔ حالانکہ اس سوال کا بھی جواب میرے پاس موجود ہے۔ لیکن ایک اور بات اس دلیل کو رد کر دیتی ہے۔ بس اسی وقت سے اب تک یہی معاملہ میرے دل کو پریشان کر رہا

سے ہے۔

"یعنی وہ کیا ہے" ۔۔۔۔۔ ؟ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔

"دیکھئے!" ۔۔۔۔۔ انہوں نے میرے سوال کا جواب دیتے ہوئے کہا۔
اب سے اٹھارہ سال پیشتر جب ڈاکٹر شیرازی کی بیوی اور اس کے چاہنے والے کی موت کا حادثہ رونما ہوا تھا ۔۔۔۔۔ اور دونوں لاشوں کے پوسٹ مارٹم کے بعد ڈاکٹروں نے یہ رائے تجویز کی تھی کہ دونوں کو کسی نامعلوم طریقہ سے ایک ہی قسم کا مہلک زہر دیا جارہا تھا۔ تو میرے ذہن میں وہ نامعلوم طریقہ فوراً گھوم گیا تھا اور واقعہ بھی یہی ہے کہ بیک وقت دونوں کو زہر استعمال کرانے کا طریقہ اس کے علاوہ اور کچھ ہو نہیں سکتا تھا۔ اور اس صورت میں جب کہ ڈاکٹر شیرازی اپنے اس بدنصیب رقیب سے بات تک نہیں کرتا تھا۔

"وہ طریقہ کیا تھا" ۔۔۔۔۔ ؟ میں نے جلدی سے ان کی بات کاٹ کر پوچھا۔

"بڑا آسان لیکن بڑا مہلک۔ یعنی وہ روزانہ صبح ہونے کے قریب ایک نہایت مہلک زہر اپنی بیوی کے ہونٹوں پر کناروں کی جانب لگا دیا کرتا ہوگا۔ کیونکہ ظاہر ہے کہ وہ اپنے محبوب سے ہمیشہ دن کے وقت ہی ملتی ہوگی۔ رات کو اس سے ملنے کبھی نہ جاتی ہوگی۔ اور چونکہ صبح سو کر اٹھنے کے بعد ہی ہاتھ منہ دھونے اور غسل وغیرہ کرنے سے اس زہر کا اثر برائے نام رہ جاتا ہوگا۔ اس لئے وہ رفتہ رفتہ اعصاب پر اثر انداز ہوتا رہا۔ اور آخر میں دونوں کو ہلاک کر دیا"

"لیکن عورت کے ہونٹوں پر زہر لگانے سے وہ بے چارہ کس طرح مارا گیا؟"۔ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بعض اوقات تو تم بالکل بچوں والی بات کرتے ہو" ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے فہمائشی نظروں سے میری جانب دیکھتے ہوئے کہا ۔۔۔۔۔ "ارے بھئی سیدھی

سی بات ہے کہ جب وہ اس مرد سے ملتی ہو گی۔ تو وہ دونوں ایک دوسرے کو پیار بھی
کرتے ہونگے اور زہروں کی وہ ہلکی مقدار دونوں کے جسم میں بھی داخل ہو جاتی ہو گی۔
بات کیا البتہ ڈاکٹر شیرازی ضرور کوئی ایسی ترکیب استعمال کرتا ہو گا کہ زہر کا اثر اس
کی بیوی کے ہونٹوں پر سے زائل ہو جاتا ہو گا۔
لیکن اس طرح تو اس زہر کا اثر عورت پر زیادہ ہونا چاہئے تھا اور اُسے
پہلے مر جانا چاہئے تھا۔ کیونکہ وہ زہر تمام دن اس عورت کے ہونٹوں پر لگا رہتا ہو گا۔
"نہیں"! ڈاکٹر گھوش نے صورت انکار میں سر ہلاتے ہوئے کہا ——— "وہ
زہر اس قسم کا ہو گا جو مساموں میں داخل ہونے کی طاقت نہ رکھتا ہو۔ بلکہ وہ دونو
جس وقت ایک دوسرے کو پیار کرتے ہونگے اسی وقت دونوں پر اثر انداز ہوتا
ہو گا"

"اوہ! ——— اب میں سمجھا" ——— میں نے گھبرائے ہوئے لہجے میں ایک
لمبا سا سانس لیتے ہوئے کہا ——— "آپ کا خیال ہے کہ کل رات ڈاکٹر زبیر نے
سلومی کی معرفت مجھ پر بھی اسی قسم کا کوئی زہر استعمال کیا ہے"
"ہاں"! ——— ڈاکٹر گھوش نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ———
"تقریباً یہی خیال میرا ہے"
"لیکن سلومی تو مجھ سے محبت کرتی ہے۔ بڑی پُر خلوص اور بے غرضانہ محبت میں۔
ایسی صورت میں کیسے یقین کر سکتا ہوں کہ وہ میری ہلاکت کے درپے ہو گی"
اس مرتبہ ڈاکٹر گھوش نے میری ہی طرح لمبی آہ کھینچ کر کہا ——— "آہ تم
اب بھی نہیں سمجھے۔ میرا کہنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ لڑکی سلومی تم سے پُر خلوص محبت نہیں
کرتی۔ وہ ضرور کرتی ہو گی۔ لیکن کیا بالکل اسی طرح جیسے ڈاکٹر شیرازی نے اپنی بیوی
اور اس کے دوست اس بدنصیب نوجوان کی لاعلمی ہی میں دونوں کو کسی زہر

کا شکار بنا دیا۔ تو کیا اسی طرح اپنی لڑکی کی لاعلمی میں وہ تم دونوں کو کوئی زہر نہیں کھلا سکتا؟"

"لیکن اگر وہ مجھے ہی اپنے راستے سے ہٹانا چاہتا ہے تو کیا وہ اپنی لڑکی کو مارنے سے بھی گریز نہیں کرے گا؟"

"بس یہی ایک سوال تو میرے جی کو پریشان کر رہا ہے۔"

انہوں نے اپنی عینک اتار کر اس کے شیشے دوبارہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

"میں خود بہت دیر سے اسی سوال کا جواب اپنے آپ سے پوچھ رہا ہوں یعنی اس وقت دو بالکل مختلف واقعے دوش بدوش ہیں جس کی پہلی کڑی اب سے اٹھارہ برس پیشتر کے اس حادثے سے جا کر ملتی ہے اور آخری کڑی تم پر آکر ختم ہوتی ہے۔"

"کیا مطلب ذرا وضاحت سے فرمائیں"۔۔۔۔ میں نے ان کی باتوں کا مطلب نہ سمجھ کر حیرت سے سوال کیا۔

"مطلب یہ کہ اگر یہ شخص ڈاکٹر شیرازی ہے اور میرا یقین کہتا ہے کہ یہ وہی ہے۔ تو اپنی بیوی کو ہلاک کرنے کے بعد وہ اس بچی کو اپنے ہمراہ کیوں لے آیا تھا جس کو وہ اپنی بچی نہیں سمجھتا تھا بلکہ اپنے رقیب کی اولاد سمجھتا تھا۔ اور اگر اسے کسی طرح یہ معلوم ہو گیا تھا کہ وہ لڑکی اسی کی ہے اور یہاں لاکر اس نے بڑی محبت سے پال پوس کر جوان کیا تو اب وہ اسے ہلاک کرنا کیوں چاہتا ہے"۔۔۔؟

"لیکن وہ اسے ہلاک کرنا کب چاہتا ہے"۔۔۔۔؟ میں نے جلدی سے کہا۔۔۔ "یہ آپ سے کس نے کہہ دیا۔ وہ تو اپنی لڑکی سے بہت محبت کرتا ہے ایک لمحے کے لئے بھی نظروں سے اوجھل نہیں ہونے دیتا"۔۔۔؟

"ہو سکتا ہے یہ ٹھیک ہو"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

لیکن میں نے محسوس کیا کہ اس وقت ان کا دماغ یہاں نہیں بلکہ کسی گہرے اسرار کی راز جوئی میں مصروف ہے۔

ایک ترکیب میری سمجھ میں آئی ہے"۔۔۔۔۔ میں نے انہیں اپنی جانب متوجہ کرتے ہوئے کہا۔

"کیا"۔۔۔؟ انہوں نے چونک کر مجھ سے سوال کیا۔

میرا خیال ہے کہ میں آج پھر سلومی سے ملنے جاؤں۔۔۔۔۔ اگر ڈاکٹر شیرازی نے کسی وجہ سے سلومی کے ذریعہ مجھے زہر دینے کی کوشش کی ہو گی تو یقیناً اس زہر کا اثر سلومی پر بھی ہؤا ہو گا۔ دوسرے لفظوں میں میری ہی طرح وہ بھی ضرور بیہوش ہوئی ہو گی۔ اس لئے میں سلومی سے باتوں باتوں میں پوچھونگا کہ آج وہ بہت سست اور بیمار سی معلوم ہو رہی ہے۔ کیا کچھ طبیعت علیل ہے؟ چونکہ اسے اپنے باپ کی سازش کا پتہ نہیں ہو گا۔ اس لئے جو کچھ اس پر گذرا ہو گا سب کچھ تفصیل سے بتا دے گی۔ اس طرح ہم دونوں ضرور کسی نتیجہ پر پہنچ جائیں گے۔ اور اس کے دفاع کے لئے بھی یقیناً کچھ نہ کچھ سوچ سکیں گے"۔

ڈاکٹر گھوش نے پوری بات سن کر کچھ دیر سوچا اور کہا۔۔۔۔۔

"تجویز واقعی معقول ہے۔ آج تم ضرور جاؤ۔ اور اس سے ان حالات کے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوشش کرو"۔۔۔۔۔

لیکن میں آج کی بجائے کل جاؤنگا۔ کیونکہ تیسرے روز ہمارا ملنے کا وعدہ ہے"۔

"کوئی بات نہیں"۔۔۔۔ انہوں نے جواب دیا۔

چونکہ دیر کافی ہو چکی تھی۔ اس لئے میں نے ڈاکٹر گھوش سے ہاتھ ملایا۔ اور رخصت چاہی۔۔۔۔ لیکن جس وقت میں کمرے سے باہر جا رہا تھا۔ تو

انہوں نے چشمے کے دبیز شیشوں میں سے جھانکتے ہوئے ذرا زردار آواز میں ہنستے ہوئے کہا۔۔۔۔

"لیکن میری ایک نصیحت ضرور یاد رکھیئے۔ کل جب آپ اس لڑکی سے ملیں تو اپنے اوپر ذرا قابو رکھنا اور اس کو پیار وغیرہ نہ کرنا!"

میں فوراً پلٹ پڑا۔ اور مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔۔ "آپ کا مخلصانہ حکم نہ ماننے کی مجھ میں جرأت نہیں۔ یقیناً میں آپ کی مرضی کے خلاف کچھ نہیں کرونگا۔ حالانکہ اس طرح مجھے اپنی بہت سی اُمنگوں اور سینکڑوں ارمانوں کا خون کرنا پڑیگا!"

"شکریہ!"۔۔۔۔ ڈاکٹر گھوش قہقہہ مار کر ہنس پڑے اور میں دل ہی دل میں اس پُرخلوص انسان کی تعریف کرتا ہُوا کمرہ سے باہر نکل آیا۔

باب ۱

تحقیق

ڈاکٹر گھوش سے رخصت ہو کر جب میں گھر آیا۔ اور محمود کو یہ تمام واقعات سنائے تو وہ بھی حیرت کے مارے کچھ دیر کے لئے سکتے کے عالم میں رہ گیا۔ پھر کہنے لگا۔

"میں تو پہلے ہی سوچ رہا تھا۔ کہ معاملہ بڑا پُراسرار ہے۔ خدا جانے کس وقت کس قسم کا حادثہ پیش آجائے!!

"اچھا اس تقریر کو چھوڑو۔" میں نے اس کی بات درمیان میں ہی کاٹتے ہوئے کہا ـــــ "تم یہ بتاؤ۔ کہ اب ہمیں کیا کرنا چاہیئے۔ ایک بات میں تمہیں پہلے ہی بتائے دیتا ہوں کہ سلومی پر میں کسی قسم کا شبہ نہیں کر سکتا۔ وہ بہر صورت ایک نہایت نیک اور پُرخلوص لڑکی ہے۔"

"لیکن اگر وہ پُرخلوص لڑکی ہے۔ تو تم پر زہر کا استعمال کرنا کیا معنی رکھتا ہے؟"

"کیا خبر وہ اس کی لاعلمی میں کیا گیا ہو۔" میں نے سلومی کی وکالت کرتے ہوئے

کہا۔

"بہر حال" محمود نے اپنے الفاظ کو جما جما کر کہا ـــــــ "اب ہمیں بہت زیادہ محتاط رہنے کی ضرورت ہے اور خاص طور پر تمہیں۔ اب میں تمہیں کوئی ایسی حرکت نہ کرنے دونگا جس سے تمہاری زندگی خطرے میں پڑے اور تمہارے ساتھ ہی مجھے بھی مصیبت میں مبتلا ہونا پڑے"۔

"لیکن آخر اب ہمیں کرنا کیا چاہئیے۔ اگر ڈاکٹر زبیر سرجن گھوش کے بقول دراصل ڈاکٹر شیرازی ہے تو ہمیں اس کی چھان بین کر کے کلکتہ کی پولیس کو اطلاع دینی چاہئیے۔ قاتل بہر حال قاتل ہے۔ اس سے کسی قسم کی رعایت برتنا خلافِ قانون ہو گا"۔

"اور اس طرح اگر تمہاری سلومی پر بھی کوئی بات آئی" ـــــ؟

"بات آئے گی ہی کیسے" ــــــ؟ میں نے فوراً محمود کی بات کاٹ کر کہا "اس کا باپ کے جرائم سے کیا تعلق ہے" ـــــ؟

"میرا مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی قدم اُٹھانے سے پہلے خوب اچھی طرح سے سوچ سمجھ لو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئیے۔ ایسا نہ ہو کہ بعد میں پچھتانا پڑے" ـــــ محمود نے جواب دیا۔

"میں نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ آج یا کل سلومی سے پھر ملا جائے۔ میں اس سے مل کر معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ کیا کل اسے بھی کچھ اس قسم کا حادثہ پیش آیا تھا جیسا مجھے آیا۔ اس کے بعد اگلے قدم اٹھانے کا فیصلہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب مجھے سلومی کے حالات کا مکمل علم ہو جائے گا۔ کیونکہ سرجن گھوش کے بقول ہو سکتا ہے اس فرضی ڈاکٹر زبیر نے اس طرح مجھے اور سلومی کو مار ڈالنے کا پروگرام بنایا ہو"۔

"چلو یہی سہی" ـــــــ محمود نے منظوری دیتے ہوئے کہا ـــــــ "لیکن اس مرتبہ تمہیں بہت زیادہ محتاط رہنا پڑے گا۔ سلومی سے ذرا الگ الگ رہنا۔ اُسے پیار بالکل نہ کرنا۔"

"فکر نہ کرو بالکل ایسا ہی ہوگا۔" میں نے محمود کو تسلّی دی۔

تیسرے روز حسب معمول میں سلومی سے ملنے مقررہ مقام پر پہنچا۔ محمود کار ڈرائیو کر رہا تھا۔ سلومی بھی وعدے کے مطابق میری منتظر تھی۔ سب سے پہلے میں نے گاڑی سے اُتر کر اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔ لیکن ظاہراً۔ پر اس کے چہرے پر کسی بیماری یا کسی خوف و دہشت کے نشان بالکل نہ تھے۔

وہ مجھے دیکھکر دوڑتی ہوئی آئی۔ اور بیتابانہ میرے سینے سے چمٹ گئی۔ لاشعوری طور پر ایک مرتبہ میں نے چاہا۔ کہ اس کے عنابی ہونٹوں کو چوم لوں لیکن فوراً ڈاکٹر گھوش کے پُرخلوص فہمائشی الفاظ یاد آگئے اور میں نے اپنے آپ پر قابو پالیا۔

اور ہم دونوں اُسی درخت کی شاخ پر بیٹھ کر گفتگو میں مصروف ہو گئے۔ میں نے اپنے فیصلے کے مطابق سلومی سے سوال کیا۔

"آج تم بہت کمزور سی نظر آرہی ہو۔ خدانخواستہ درمیان میں کچھ طبیعت خراب تو نہیں ہو گئی تھی؟"

"بالکل نہیں" ـــــــ سلومی نے جوشِ مسرت سے میرے سینے سے چمٹتے ہوئے کہا ـــــــ "جب ہر تیسرے روز تم سے ملاقات ہو جاتی ہے تو پھر میرے بیمار یا پژمردہ ہونے کی کوئی وجہ ہی نہیں ہو سکتی۔ تمہاری محبت اور تمہاری قربت حاصل کر کے تو میں خطرناک سے خطرناک مقام پر بھی خوش و خرم رہ سکتی ہوں۔"

میں نے سلومی کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھا۔ واقعی وہ الفاظ صرف اس کی زبان سے نہیں بلکہ دل سے نکلے ہوئے تھے۔ لیکن سلومی کے اس جواب سے میں پریشان ہو گیا۔ میں نے سوچا۔ تو کیا مجھے زہر کھلانے کی سازش سلومی کی خواہش کے مطابق ہوئی تھی؟ کیا سلومی دانستہ مجھے موت کے منہ میں ڈالنا چاہتی ہے؟ لیکن ان سوالوں کے جواب میرے پاس نہیں تھے۔ میں چکرا کے رہ گیا۔

بھلا یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ سلومی کے ہونٹوں پر زہر لگا ہوا ہو۔ اور اس کا اثر صرف مجھ پر ہو سلومی پر بالکل نہ ہو۔ سوائے اس صورت کے کہ سلومی کو اپنے ہونٹوں کی زہر آلودگی کا علم ہو۔ اور اس نے پیشتر سے کوئی حفاظتی تدبیر کر رکھی ہو۔ لیکن سلومی کی معصوم صورت اور محبت بھری باتیں میرے ان شکوک کی فوراً تردید کر دیتی تھیں ——— آخر تنگ آ کر میں نے یہ فیصلہ ڈاکٹر گھوش اور محمود پر چھوڑ دیا ——— میں نے سنا تھا محبت میں آدمی اپنے محبوب کی ہر بری سے بری حرکت کو بھی اچھا سمجھتا ہے۔ اس لئے میں نے ان تمام باتوں کا فیصلہ دو غیر متعلق شخصوں پر ہی چھوڑ دینا مناسب سمجھا۔

بہت دیر تک ہم دونوں محبت آمیز گفتگو میں مصروف رہے۔ آخر محمود نے کار کا ہارن بجا کر ہمیں اطلاع دی کہ رخصت کا وقت ہو گیا ہے۔

میں نے سلومی سے اجازت چاہی۔ اس نے رخصتی طور پر اپنی باہیں میری گردن میں ڈال کر ہونٹ میری جانب بڑھا دیے۔ تاکہ میں اسے پیار کر سکوں۔

میرے لئے وہ وقت بہت نازک تھا۔ اگر میں پیار کرتا تھا۔ تو زہر کے جسم میں داخل ہونے کا خوف تھا۔ اور اگر اسے پیار نہ کرتا تھا تو کئی طرح کی خرابیاں پیدا ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ جس میں سلومی کے خفا ہو جانے کا یا میری

جانب سے پہلو تہی دیکھ کر مایوس ہو جانے کا خدشہ زیادہ تھا ــــــ یہ حقیقت ہے کہ اس وقت سلومی کا خفا یا مایوس ہونا میں قطعی برداشت نہیں کر سکتا تھا۔ خواہ اس کے ہونٹ چُوم لینے کے بعد زہر میری رگ رگ میں ہی سرائت کر جاتا۔

لیکن عین اس وقت جب میں تھوڑی سی کشمکش کے بعد جھک کر سلومی کے شیریں ہونٹوں پر اپنے ہونٹ رکھنے والا تھا یکایک عجیب واقعہ پیش آیا۔

جس درخت کے نیچے ہم کھڑے تھے اس کی ایک شاخ ہمارے سروں پر تقریباً ڈیڑھ فٹ اونچی تھی۔ جب میں سلومی کے ہونٹوں کی جانب جھک رہا تھا یک سانپ کے پھنکار مارنے سے مشابہ ایک تیز آواز ہمیں محسوس ہوئی۔ میں نے اور سلومی نے چونک کر فوراً اوپر کی جانب دیکھا تو اس شاخ پر ایک ڈیڑھ گز کے قریب لمبا سانپ لپٹا ہوا بیٹھا تھا۔ اور وہ اپنا پھن نیچے ہماری جانب آہستہ آہستہ بڑھا رہا تھا۔ یعنی میرے سر سے وہ تقریباً چھ انچ رہ گیا تھا۔

اپنے سروں کے اس قدر قریب سانپ دیکھ کر ہم فطرتاً چونک کر جدا ہو گئے۔ لیکن آدھے منٹ کے بعد جب ذرا ہمارے حواس قابو میں آئے تو سلومی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بدمعاش ــــ ہمیں ڈراتا ہے" ــــ اور ایک قدم آگے بڑھ کر اس نے سانپ کا پھن ہاتھ میں پکڑ لیا۔ میں اسکی یہ حرکت دیکھ کر چیخ کر اُسے سانپ کو ہاتھ لگانے سے منع کرنے ہی والا تھا۔ کہ اس نے دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر اُسے اس قدر بیدردی سے کھینچا کہ سانپ جو اس موٹی سی شاخ کے گرد لپٹا ہوا تھا۔ رسّی کی مانند کھل کر سلومی پر آ پڑا۔

میں سلومی کی یہ جرأت دیکھ کر دو منٹ تک سکتے کے سے عالم میں رہ گیا میرا

دل تیزی سے دھڑکنے لگا۔ کیونکہ میرا خیال تھا کہ اس عرصہ میں سانپ یقیناً سلومی کو دو چار مرتبہ ڈس چکا ہوگا۔ اور اب ذرا سی ہی دیر میں میری سلومی میری آنکھوں کے سامنے زہر کی تاثیر سے تڑپ تڑپ کر جان دے دیگی۔

جب ذرا میرے حواس ٹھکانے ہوئے تو میں نے چلا کر کہا ——

"سلومی! —— خدا کے لئے سانپ کو پرے پھینک دو۔ یہ بڑا خطرناک سانپ ہے کاٹ لے گا تو" —— !

"اونہہ یہ خطرناک سانپ ہے" —— سلومی نے میری بات کاٹتے ہوئے ہنس کر کہا —— "ایسے ایسے سانپوں کو تو میں اپنے تلوؤں سے مسل کر مار ڈالتی ہوں" —— اور واقعی اس نے اس سانپ کے پھن کو درخت کے تنے مسل کر مار ڈالا —— اور دُور پھینک دیا۔ میں اس کی اس وحشیانہ حرکت کو حیرت سے دیکھتا رہا —— اور جب اس نے مردہ سانپ دور پھینک دیا۔ تو میں نے فوراً بڑھ کر دونوں ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر دیکھے۔ اس مختصر سے وقفہ میں ہی سانپ نے تین جگہ اس کی ریشمیں ہتھیلی کو زخمی کر دیا تھا۔ لیکن آپ میری حیرت کا اندازہ نہیں کر سکتے۔ جب میں نے یہ دیکھا کہ تین جگہ سانپ کے کاٹنے کے باوجود سلومی کھڑی ہوئی ہنس رہی تھی۔ اس پر سانپ کے زہر کا اثر قطعاً معلوم نہ ہوتا تھا۔ جبکہ میں سانپوں کی اس نسل سے بخوبی واقف تھا —— مجھے معلوم تھا کہ اگر اس قسم کا سانپ کاٹ لے تو آدمی پانچ منٹ سے زیادہ زندہ نہیں رہ سکتا۔ لیکن سلومی کے ہاتھ میں اس سانپ کے کاٹنے کے تین زخم ہونے کے باوجود وہ دس منٹ گذرنے کے بعد بھی اسی طرح مسرور اور بے فکر تھی۔

یکایک میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ شاید سلومی نے مجھے مرعوب کرنے کے لئے اس سانپ کی زہر کی پوٹلی نکال دی ہو۔ اور خود یہ تماشہ ترتیب دیا ہو چنانچہ

یہ خیال آتے ہی میں نے بڑھ کر فوراً اس سانپ کا منہ ایک لکڑی کی مدد سے کھول کر دیکھا۔ لیکن اس کے دانت بالکل صحیح و سلامت تھے اور زہر کی پوٹلی بھی تھی۔

"کیا دیکھ رہے تھے"؟ سلومی نے مجھے اس سانپ کے دانت وغیرہ دیکھتے ہوئے پوچھا ——— "اس کے دانت اور زہر دیکھنا چاہتے تھے"؟

"ہاں!" ——— میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا ——— "میں حیران ہوں کہ اس سانپ نے تمہارے ہاتھ میں تین جگہ کاٹ لیا ہے۔ اس کے باوجود تم پر زہر کا اثر نہیں ہوا۔ اس کی کیا وجہ ہے"؟ وہ میری بات سن کر قہقہہ مار کر ہنسی اور کہنے لگی۔

چھوڑو تم بھی کس وہم میں پڑ گئے۔ بات دراصل یہ ہے کہ سانپوں کا زہر مجھ پر اثر ہی نہیں کرتا کیونکہ میں بچپن سے ہی سانپوں سے کھیل کر اتنی بڑی ہوئی ہوں۔ پاپا جی جن سانپوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے بھی ڈرتے ہیں۔ میں انہیں بے فکری سے پکڑ کر گلے میں ڈال لیتی ہوں۔ اوّل تو وہ سانپ مجھے کاٹتے نہیں۔ اور اگر کاٹتے ہیں۔ تو ان کے زہروں کا مجھ پر کوئی اثر نہیں ہوتا۔"

میں اس کی تقریر سن کر حیرت میں رہ گیا ——— یکایک پھر محمود کے ہارن کی آواز نے مجھے چونکا دیا۔

"اچھا اب ہمیں رخصت ہو جانا چاہیئے" ——— سلومی نے کہا ——— "پاپا کا بھی لیبارٹری سے باہر آنے کا وقت ہو گیا۔ ادھر آپ کے محمود صاحب بے چین ہیں۔"

اور وہ آکر دوبارہ میرے سینے سے چمٹ گئی ——— سلومی کی اس درجہ قربت سے اس روز نہ جانے کیوں مجھے اس قدر خوف معلوم ہوا۔ کہ میرے سارے جسم میں

جھرجھری سی دوڑ گئی ـــــ مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے ایک نہایت زہریلی ناگن میرے گلے سے لپٹ گئی ہو ـــــ لیکن سلومی کی محبت میرے اس خوف پر غالب آگئی۔ اور میں نے جھک کر اس کی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے اور صرف پیشانی اور آنکھوں کو چُوم کر سلومی کو اپنی آغوش سے جُدا کر دیا۔

ادھر محمود نے کار کا ہارن بجاتے بجاتے ناک میں دم کر دیا تھا۔ اس لئے میں جلدی میں رخصتی کلمات ادا کر کے اور تیسرے روز پھر آنے کا وعدہ کرتا ہوا سلومی سے رخصت ہو کر بھاگ کر کار میں آ بیٹھا اور محمود نے کار فل اسپیڈ سے چھوڑ دی۔

حسب عادت میں کار کے پچھلے شیشے سے اُسے جھانکتا رہا۔ سلومی سڑک پر کھڑی ہوئی اس وقت تک رُومال ہلاتی رہی۔ جب تک ہماری گاڑی ایک موڑ پر اس کی نظروں سے غائب نہ ہو گئی۔

باب ۱۱

غور و فکر

تیسرے روز سرجن گھوش کے کمرے پر ہم تینوں کی ایک باقاعدہ میٹنگ ہوئی جس میں میں نے سلومی سے آخری ملاقات کے تمام حالات من و عن بیان کر دیئے۔ سانپ والے واقعے کا ذکر آیا۔ تو محمود اور ڈاکٹر گھوش دونوں سخت حیران ہوئے بہت دیر تک ہم یہ سوچتے رہے کہ وہ واقعہ اتفاقیہ تھا۔ یا اس کی پشت پر کوئی گہری سازش کام کر رہی تھی ——— کیونکہ عین اس وقت جب سلومی مجھ سے بغلگیر تھی ——— سانپ کا بالکل ہمارے سر پر لٹک آنا ——— بعد میں سلومی کا سانپ کو پکڑ کر اس طرح کھینچ لینا جیسے وہ رسی کا سرا پکڑ کر کھینچ رہی ہو ——— اور سانپ کا منہ رگڑ کر اسے مار ڈالنا ——— یہ تمام باتیں حیرت انگیز اور معنی خیز تھیں ——— آخر سلومی بھی ہماری ہی طرح انسان تھی۔ پھر کیا وجہ تھی کہ ایسے زہریلے سانپ نے اس کی ہتھیلی میں دو تین جگہ کاٹا اور اس پر اثر بھی نہیں ہوا۔

محمود کا خیال تھا کہ یہ سب بناوٹی واقعہ تھا ——— سانپ سلومی نے خود

اس جگہ لاکر پہلے سے رکھ دیا ہوگا۔ اور کوئی ترکیب ایسی کی ہوگی جس سے وہ بھاگ نہ سکے۔ اور گھر سے چلتے وقت اپنی ہتھیلیوں پر پہلے ہی دو تین اس طرح کے نشان بنا لئے ہونگے۔ جیسے سانپ کے کاٹے کے ہوتے ہیں۔ آخر میں محمود نے کہا۔

"اور یہ تمام اہتمام اس لئے کئے گئے ہیں۔ کہ وہ تمہیں اپنی محبت کے جال میں پھانسنے کے علاوہ اپنی شخصیت سے مرعوب بھی کرنا چاہتی ہے"۔۔۔۔

ڈاکٹر گھوش خدا جانے محمود کے ان خیالات سے کہاں تک متفق تھے بہر حال مجھے یہ بات نہیں جچی۔۔۔۔ جہاں تک خلوص کا تعلق تھا۔ میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ سلومی مجھ سے پرخلوص محبت کرتی ہے۔۔۔۔ پھر محبت میں مرعوب کرنیکا معنی؟

۔۔۔۔البتہ ڈاکٹر گھوش کی وہ بات یقیناً تسلیم کی جاسکتی تھی کہ ہوسکتا ہے ڈاکٹر زبیر اور ڈاکٹر شیرازی ایک ہی شخصیت کے دو نام ہیں۔۔۔۔ اور وہ کسی وجہ سے میری ہلاکت کے درپے ہوگیا ہو۔۔۔۔ اگرچہ اس کی دشمنی کا باعث بھی ابھی تک تحقیق طلب تھا اور پھر اس سانپ والے معاملہ نے تو اور الجھن میں ڈال دیا تھا۔

کافی دیر غور و خوض کے بعد بھی ہم کسی نتیجہ پر نہ پہنچ سکے۔۔۔۔ آخر میٹنگ ختم ہونے سے پہلے ڈاکٹر گھوش نے ایک تجویز رکھی کہ ہمیں کلکتہ پولیس کو اس واقعہ کی اطلاع دے دینی چاہئیے۔ بلکہ انہیں پُرزور الفاظ میں لکھا جائے کہ وہ اپنے یہاں کے کسی اچھے سراغرساں کو بھیجکر اس معاملہ کی تحقیق اپنے ذمہ لیں۔۔۔۔ میں اس تجویز کے حق میں اس لئے نہیں تھا کہ اگر ڈاکٹر زبیر مجرم تھا بھی تو اسکی گرفتاری کے ساتھ ہی سلومی کا گرفتار ہونا بھی یقینی تھا۔۔۔۔ اور ایسی صورت میں آگے چل کر پولیس اسے بھی باپ کا شریک جُرم ثابت کردیگی تو کیا ہوگا۔۔۔۔؟ کم از کم میں ابھی تک سلومی کے معاملہ میں مشکوک نہیں تھا۔۔۔۔ اسی لئے یہ نہیں چاہتا تھا کہ سلومی کو کسی قسم کی ذلت یا تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔

لیکن ڈاکٹر گھوش نے میرے خیالات کو بھانپ کر خود ہی واضح کر دیا کہ مجرم تھا ڈاکٹر زبیر ہے۔ اب اٹھارہ یا بیس سال پیشتر کے واقعات سے تعلق صرف ڈاکٹر شیراز کا تھا نہ کہ اس کی معصوم بیٹی کا۔ ایسی صورت میں سلومی پر کوئی آنچ نہیں آئے گی
آخر تھوڑی سی بحث کے بعد میں ڈاکٹر گھوش سے متفق ہو گیا اور ہم نے اسی وقت ایک تفصیلی ٹیلیگرام کلکتہ پولیس ہیڈ آفس کو دے دیا ——
رخصت ہوتے ہوئے ڈاکٹر گھوش نے پھر مجھے تنبیہ کر دی کہ اگر میں سلومی سے ملوں تو حد درجہ محتاط رہوں —— اُسے سینے سے نہ لگاؤں —— اسے پیار نہ کروں وغیرہ —— اور میں نے نہایت سعادت مندی سے ان سے وعدہ کر لیا —— حالانکہ میں خوب جانتا تھا۔ کہ جب سلومی سامنے آتی ہے تو میرے تمام دعوے، تمام احتیاطی تدابیر رکھی رہ جاتی ہیں۔
گھر آ کر تنہائی میں بیٹھ کر ایک مرتبہ میں نے گذشتہ تمام واقعات پر ایک نگاہ بازگشت ڈالی اور ہر اس چیز کو تحقیقانہ نگاہوں سے جانچا۔ جو مشتبہ اور مشکوک ہو سکتی تھی۔ اس طرح پورے واقعات میں صرف دو چیزیں مجھے حیران کن نظر آئیں۔ اول وہ ہیرے کا نگ جو میں نے لاش کے قریب پڑا ہوا پایا تھا اور جو ابھی تک میرے کوٹ کی اندرونی جیب میں محفوظ تھا —— دوم وہ میری بے ہوشی والا واقعہ ——

ہیرے کے نگ سے بھی اس راز کو سلجھانے میں کوئی مدد لی جا سکتی ہے۔ یہ خیال ابھی تک میرے ذہن میں آیا ہی نہیں تھا —— اس وقت یکایک اس کا خیال آتے ہی میرے دماغ میں اس سے کام لینے کی ایک انوکھی تجویز آ گئی۔ اور میں نے سلومی سے اگلی ملاقات میں اس ترکیب پر عمل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
لیکن میری بے ہوشی کا واقعہ ایسا پُراسرار تھا کہ اسے کسی جانب سے کھولکر

صحیح حالات معلوم کرنا سخت دشوار تھا ـــــ کئی سوالات تھے جو میرے ذہن میں چکر کاٹ رہے تھے ۔ مثلاً ۔

۱ ـــ آخر ڈاکٹر زبیر یا شیرازی (جو کچھ بھی ہو) میرا دشمن کیوں ہو گیا ـــ ؟

۲ ـــ کیا وہ مجھے بھی اسی طرح زہر دے کر ہلاک کرنا چاہتا ہے جیسے اس نے بقول ڈاکٹر گھوش اپنی بیوی اور اس کے شناسا کو مار ڈالا تھا ـــــ

۳ ـــ اگر وہ اسی طرح مجھے بھی زہر سے ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اس زہر کا اثر مجھ پر ہی کیوں ہُوا ـــــ سلومی پر کیوں نہ ہُوا ـــ ؟

۴ ـــ اس نوجوان کو کس نے اور کیوں قتل کیا ـــــ ؟ جس کی لاش ہم نے جنگل میں پائی تھی ـــــ

۵ ـــ اور وہ کیا ذرائع تھے جن سے اُسے ہلاک کیا گیا ـــ ؟

اور چھٹا سوال میرے لئے سب سے بڑا اور اہم تھا وہ یہ کہ "کیا سلومی بھی اپنے باپ کے ساتھ سازش میں شریک ہو کر مجھے مار ڈالنا چاہتی ہے" ـــ ؟

یہ وہ سوالات تھے جو کن کھجورے بن کر میرے ذہن سے چمٹے پڑے تھے اور کسی صُورت سے ہٹنے کا نام ہی نہ لیتے تھے ـــــ جتنا میں زیادہ سوچتا تھا اتنا ہی یہ کنکھجورے اپنے نوکیلے پاؤں زیادہ سختی سے میرے دماغ میں پیوست کرتے جاتے تھے ـــــ

جب سے میں اور محمود سلومی کے ہاں مہمان ہوئے تھے ـــــ نہیں بلکہ جب سے ہم اس روز شکار کے لئے گئے تھے ۔ اتنے حیرت انگیز اور رُوح فرسا واقعات پے در پے پیش آ رہے تھے کہ عقل دنگ رہ گئی تھی ـــــ اب مجھے افسوس ہوتا تھا کہ کیوں میں نے اپنی اتنی عمر ڈاکٹری پڑھنے اور زہروں کے تجربات کرنے میں گذار دی ـــــ ڈاکٹر زبیر کے سامنے میرے تجربات بالکل بچوں کے سے کھیل کی حیثیت

رکھتے تھے ـــــ صرف اس کے ایک دماغ نے ہمارے تین دماغوں کو ناچ رکھا تھا ـ ـ

میں سوچ رہا تھا ـــــ اس سے تو بہتر تھا کہ میں ڈاکٹری کی بجائے سراغ رسانی کے متعلق ہی کچھ تعلیم حاصل کرتا ـــــ جس سے آج ان دشواریوں کا مقابلہ تو کر سکتا ـــــ لیکن اب کیا ہو سکتا تھا ـــــ اب تو ان تمام واقعات اور اس اسرار کی نقاب کشائی کی اُمید صرف اسی صورت میں تھی کہ کلکتہ سے کوئی ماہر سراغرساں آئے اور اپنی خداداد عقل سے کام لے کر ڈاکٹر زبیر کو اسکے اصلی روپ میں منظر عام پر لے آئے ـ

باب ۱۲

بڑھتی ہوئی اُلجھنیں

دوسرے دن حسبِ معمول سلومی سے ملنے گیا تو وہ ہیرے کا نگ میں نے اپنی جیب میں محفوظ رکھ لیا تھا ـــــ لیکن آج پہلی مرتبہ سلومی اپنی مقررہ جگہ پر میری منتظر نہیں ملی ـــ میں یہ سوچ کر شاید کسی وجہ سے دیر ہوگئی ہوگی ـــــ اسکا انتظار کرنے لگا۔ تقریباً آدھ گھنٹہ گزرنے کے بعد جھاڑیوں کی اس دیوار کے پیچھے کھڑکھڑاہٹ کی آواز پیدا ہوئی۔ میں نے جلدی سے پلٹ کر دیکھا تو سلومی پتوں میں سے اپنا سر نکالے مسکرا رہی تھی۔

مجھے اپنی جانب متوجہ پاکر اس نے سر کے اشارے سے پاس آنے کو کہا۔

میں حیران حیران سا اٹھ کر اس کے پاس چلا گیا ـــــ

"کیا یہ بہتر نہیں کہ آج ہم لوگ اپنے مکان میں بیٹھ کر گفتگو کریں" ـــــ اس نے دیر سے آنے کی معذرت کئے بغیر کہا ـــــ

"لیکن" ـــــ؟

"گھبرانے کی کوئی بات نہیں" ــــــ اُس نے میری بات کاٹ کر جلدی سے کہا ــــــ "آج پاپا کسی ضروری کام سے کہیں گئے ہوئے ہیں۔ گھر میں صرف مردان ہے" ــــــ

"لیکن مردان بھی تو خطرناک ثابت ہو سکتا ہے ــــــ فرض کر داس نے ہمارے آنے کا حال تمہارے پاپا کو بتا دیا" ــــــ ؟

"بتا دے گا تو کیا کرے گا؟ ــــــ پاپا کو پہلے ہی سب کچھ معلوم ہے ــــــ میں سمجھتی تھی کہ وہ لیبارٹری میں رہتے ہیں ــــــ انہیں علم نہ ہو گا۔ لیکن کل پتہ چلا کہ وہ لیبارٹری میں رہنے کے باوجود آنکھیں اتنی بڑی بڑی رکھتے ہیں کہ دُنیا کی ہر خفیہ سے خفیہ چیز دیکھ لیتے ہیں" ــــــ !

"پاپا کو سب معلوم ہے" ــــــ ؟ سلومی کے یہ الفاظ دھماکہ بن کر میرے دماغ میں پھٹے اور دل دھک سے رہ گیا ــــــ تو کیا واقعی ڈاکٹر زبیر کو ہماری ملاقاتوں کا کسی طرح علم ہو گیا ہے ــــــ ؟ ــــــ یا ــــــ یا ــــــ سلومی اپنے پاپا کے احکامات کے تحت مجھ سے محبت کا کھیل کھیل رہی ہے ــــــ ؟ فوراً ہی یہ دو سوال میرے ذہن میں پیدا ہوئے۔ جن کا جواب سوچنے کی اس وقت فرصت کہاں تھی ــــــ اور اگر فرصت بھی ہوتی۔ تو ان سوالوں کے جوابات سوچنا کم از کم میری قوت ادراک سے بالا تھا ــــــ

میں تذبذب میں پڑ گیا کہ جاؤں یا نہ جاؤں ــــــ اچانک ایک اور وسوسہ دل میں آیا ــــــ "آج گھر پر بلانا کسی سازش کے تحت تو نہیں" ــــــ لیکن چونکہ میری نگاہوں کے عین مقابل سلومی کا مسکراتا ہوا معصوم چہرہ تھا اس لئے یہ شک فوراً ہی غائب ہو گیا ــــــ

سلومی کی نگاہیں میرے چہرے پر گڑی ہوئی تھیں ــــــ اُس نے میرے

چہرے کا رنگ بدلتے دیکھ کر کہا۔

"کس سوچ میں پڑ گئے ——؟ تم فکر نہ کرو۔ جب تک میں ہوں پاپا تمہیں کچھ نہیں کہہ سکتے —— تم پاپا سے بہت ڈرتے ہو نہ" ——

یہ کہہ کر اس نے بچوں کی طرح ایک بیباک اور پُر مسرت قہقہہ جنگل کی خاموش فضا میں بکھیر دیا اور جوشِ مسرت سے ان جھاڑیوں کو جھنجھوڑ ڈالا جن میں وہ چھپی کھڑی تھی ——

یکایک میرے ذہن میں خیال پیدا ہُوا —— "ہو سکتا ہے مکان میں کوئی نیا سُراغ لگ سکے۔ ایسے سنہرے موقعے روز روز نہیں ملا کرتے" —— چنانچہ یہ خیال آتے ہی میں نے فوراً فیصلہ کر لیا اور سلومی کے ساتھ چلنے کو تیار ہو گیا ——

"ارے —— اِتنے فراموش کار تو نہ بنو!" —— اس نے مجھے خفیہ راہ سے مکان کے قدرتی حصار میں داخل ہوتے دیکھ کر کہا —— میں نے حیرت سے اسکی جانب دیکھا تو اس نے سڑک کی جانب اشارہ کر کے کہا —— "محمود صاحب کو تو بلا لو۔ وہ بے چارے ہم دونوں کی وجہ سے خواہ مخواہ مصیبت اٹھاتے ہیں —— اور آپ ہیں کہ انہیں جنگل میں تنہا چھوڑ کر چل دیئے" ——

مَیں واقعی بھُول گیا تھا —— فوراً پلٹ کر میں نے محمود کو آواز دی۔

وہ آ گیا —— مختصر لفظوں میں میں نے اُسے ساری بات سمجھائی اور ہم دونوں سلومی کی قیادت میں ایک بار پھر اسی خوفناک اور پُراسرار مکان کی جانب چل پڑے جہاں سے ہماری مصیبتیں شروع ہوئی تھیں۔

اس مرتبہ سلومی نے اپنے خاص کمرے میں نہیں بلکہ بٹھایا —— وہی جانا پہچانا کمرہ تھا جسے ایک مرتبہ میں دیکھ چکا تھا ......

سلومی ہمیں بٹھا کر غالباً چلے وغیرہ کے لئے ہدایت دینے گئی تو میں نے محمود

کو آنکھ سے ایک معنی خیز اشارہ کیا۔ وہ فوراً دروازے کے پاس جا کھڑا ہوا اور
میں نے اٹھ کر تیزی سے سلومی کے کمرے کی دیکھ بھال شروع کر دی ــــ اس خیال
سے کہ شاید کوئی ایسی چیز مل جائے جس کے ذریعے یہ گتھیاں سلجھانے میں امداد مل سکے۔
لیکن پانچ منٹ کی مسلسل کوششوں کے باوجود کوئی ایک چیز بھی مشتبہ نظر نہ آئی۔
آخر میں جیسا میں سلومی کی سنگھار میز کی درازیں نہایت آہستگی سے کھول کر دیکھ رہا
تھا۔ تو یکایک محمود کی ہلکی سی سیٹی نے مجھے چونکا دیا ــــ میں فوراً دراز بند کر کے صوفے
کی طرف لپکا ــــ لیکن اس قلیل عرصہ میں جب میں دراز بند کر رہا تھا ــــ
یکایک میری نگاہ دراز کے کونے میں پڑی ہوئی ایک ایسی چیز پر پڑی کہ میری آنکھیں
حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں ــــ چونکہ مزید اطمینان کرنے یا حیران ہونے کا بالکل
موقعہ نہیں تھا۔ اس لئے جلدی سے اپنے جذبات پر قابو پا کر میں صوفے پر آ بیٹھا۔
فوراً ہی محمود بھی میری پہلو میں آ کر بیٹھ گیا ــــ

اور ابھی ہم اپنے سانس درست بھی نہ کر پائے تھے کہ دروازے پر قدموں
کی چاپ محسوس ہوئی ــــ پردہ کھلا اور مسکراتی ہوئی سلومی اندر داخل ہوئی ــــ

"معاف کرنا ــــ میں آپ لوگوں کو تنہا چھوڑ کر چلی گئی تھی" ــــ

"تو کیا ہوا ــــ؟" میں نے بھی ذرا بے تکلفی سے جواب دیا ــــ "ہم
کوئی بچے تو ہیں نہیں کہ تنہائی سے ڈر جاتے" ــــ

وہ ہنس پڑی اور ہمارے مقابل ایک آرام کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی! ــــ

دوسرے لمحہ ہی دروازہ پر پھر آہٹ محسوس ہوئی ــــ پردہ کھلا تو کرم
خوردہ بوڑھا مردان چائے کی ٹرے لئے کھڑا تھا۔ ہمیں دیکھ کر اس نے خندہ پیشانی
سے سلام کیا ــــ اور چائے کی ٹرے لا کر میز پر رکھ دی ــــ لیکن میں نے مردان کی
بے چین نگاہیں دیکھ کر اندازہ کیا کہ اسے ہمارا یہاں آنا گوارا گزر رہا ہے۔

سلومی نے چائے بنا کر ہماری جانب کھسکا دی اور ہم اور ہم لوگ خاموشی سے چائے پینے میں مصروف ہو گئے ــــــ میرا خیال بار بار سلومی کی سنگھار میز کی اس دراز کی جانب جا رہا تھا ــــــ میری سمجھ میں ہی نہیں آ رہا تھا کہ یہ کیا اسرار ہے ــــــ یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے ؟

آپ حیرت کرینگے کہ میں نے سنگھار میز کی اس دراز میں ایک نہایت خوشنما سونے کی انگوٹھی پڑی ہوئی دیکھی تھی۔ لیکن ــــــ جس میں نگینہ کی جگہ خالی تھی۔ اب آپ میری پریشانی کا اندازہ کر سکتے ہیں کہ اس بے نگینہ انگوٹھی کی موجودگی میں کتنا بڑا الزام سلومی پر آ سکتا تھا۔ لیکن یکایک میرے دل نے مجھے تسلی دی کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ وہ ہیرے کا نگ جو میری جیب میں محفوظ ہے۔ اس انگوٹھی کا نہ ہو ــــــ کاش! سلومی دو منٹ دیر کر کے کمرے میں داخل ہوئی ہوتی۔ تا کہ میں نے وہ نگینہ انگوٹھی میں داخل کر کے اپنا شک دور کر لیا ہوتا ــــــ یا اب بھی کچھ دیر کیلئے اٹھ کر کہیں چلی جائے ــــــ لیکن اب تنہائی ملنے کی امید ذرا کم ہی نظر آتی تھی۔

"کیا سوچے جا رہے ہیں آج آپ" ــــــ یکایک سلومی کی نقرئی آواز نے مجھ کو چونکا دیا ــــــ "چائے تو پی لیجئے۔ رکھے رکھے ٹھنڈی ہو گئی" ــــــ

"کچھ نہیں" ــــــ میں نے مسکراتے ہوئے کہا ــــــ اور جلدی سے ٹھنڈی چائے کے دو گھونٹ بھر کر پیالی خالی کر دی۔

چائے سے فراغت پانے کے بعد جب مردان خالی برتن اٹھا کر لے گیا۔ تو سلومی نے کہا ــــــ

"اس روز تو جلدی میں آپ پاپا کی لیبارٹری نہیں دیکھ سکے تھے آیئے آج پھر دکھاؤں" ــــــ

"ضرور" ــــــ میں نے جواب دیا ــــــ اور چلنے کے لئے تیار ہو گیا۔

محمود نے وابستہ ہمیں تنہائی کا موقعہ دینے کے لئے کہا —
"دبھئی آپ دونوں دیکھ آئیں — میں یہیں بیٹھا ہُوں" —
"چلئے نا — یہاں آپ اکیلے رہیں گے" — سلومی نے اصرار کیا۔
"شکریہ! — لیکن مجھے سانپوں سے بالکل دلچسپی نہیں ہے — بلکہ ان کی قربت سے میرے لئے یہ تنہائی زیادہ بہتر ہے" —
"آپ کی مرضی" — ہنستی ہوئی سلومی نے کہا — اور میرا ہاتھ پکڑ کر کھینچتی ہوئی باہر لے گئی —
ایک مرتبہ پھر مجھے موقعہ ہاتھ سے جاتے رہنے کا افسوس ہُوا — کاش میں کسی طرح اس انگوٹھی کے متعلق محمود کو بتا دیتا تاکہ تنہائی میں وہ اُسے نکال کر جیب میں رکھ لیتا — لیکن سلومی نے اتنا موقعہ ہی نہ دیا —

باب ۱۳

نئے اسرار

لیبارٹری بالکل ویسی ہی حالت میں تھی جیسی میں اُس روز دیکھ گیا تھا۔ فرق صرف اتنا تھا کہ اس روز ہم عجلت میں تھے اور آج ہر چیز کو بغور دیکھ رہے تھے ۔۔۔

لیبارٹری دیکھ کر مجھے ڈاکٹر زبیر کی دور رس اور ہمہ دانی کا قائل ہونا پڑتا تھا۔ جدید سائنٹیفک آلات لیبارٹری میں جا بجا فٹ تھے ۔۔۔ حاصل کردہ زہروں کی شیشیاں قرینے سے سجی ہوئی تھیں ۔۔۔ چھوٹے سانپوں اور دوسرے زہریلے جانوروں کے شیشے کے ٹیوب اور مرتبان بڑی احتیاط سے رکھے ہوئے تھے ۔۔۔ یعنی لیبارٹری دیکھ کر واقعی یہ محسوس ہوتا تھا کہ ہم کسی بہت بڑے ماہر سمیات سائنسدان کے "دارالعمل" کی سیر کر رہے ہیں۔

ذرا بڑے بڑے سانپوں کے سیکشن میں پہنچے۔ تو سلومی نے کہا ۔۔۔ "یہ چھوٹے اور بڑے ہر قسم کے سانپ میرے دوست ہیں"۔۔۔

"وہ کیسے!" ــــ میں نے سوال کیا۔
"اس طرح" ــــ اس نے بڑھ کر دو تین بڑے سانپوں کے پنجرے کھول ڈالے۔ اور سانپوں کو باہر نکال کر اپنے جسم سے چمٹا لیا ــــ

میں اس کی اس جرأت پر حیرت سے گُم بن کر رہ گیا ــــ اسی طرح اس نے دو تین چھوٹے سانپوں کے ٹیوب کھولے اور لاپرواہی سے ایک کو گردن کے گرد لپیٹ لیا۔ ایک کلائی سے اور سب سے چھوٹے سانپ کے انگلی کے گرد تین چار چکر دے لئے۔ جیسے کوئی سونے کے بنے ہوئے چھلّے پہن لیتا ہے۔

اس وقت وہ بالکل سپیرن کے روپ میں کھڑی تھی۔ سلومی کو اس عالم میں دیکھ کر شاید ایک عام آدمی یہی سوچتا کہ یہ صرف شعبدہ بازی ہے۔ معمولی معمولی بے ضرر سانپ ہونگے۔ جو اس نے اپنے جسم پر لپیٹ لئے ہیں۔ لیکن میں چونکہ سانپوں کی سینکڑوں نسلوں سے واقف تھا اس لئے عام آدمیوں کی طرح سوچکر میں اپنے دل کو تسکین نہیں دے سکتا تھا۔ میرے لئے وہ وقت بڑا سخت تھا۔ خبر نہیں کس طرح میں اپنی حیرت اور تعجب پر قابو پائے کھڑا رہا ــــ کیونکہ میں جانتا تھا کہ وہ تمام سانپ جو سلومی کے گرد لپٹے ہوئے ہیں انتہائی خوفناک اور مہلک ہیں ــــ

ظاہر ہے کہ ڈاکٹر زبیر کو اپنی اتنی اہم لیبارٹری میں معمولی سانپ رکھنے سے کوئی فائدہ نہیں تھا ــــ سلومی نے میری حیرت کو بھانپ کر کہا ــــ

"تم کہتے ہوگے کہ یہ سانپ معمولی ہیں یا ان کا زہر نکال لیا گیا ــــ لیکن ایسا نہیں ہے ــــ یہ دیکھئے" ــــ یہ کہہ کر اس نے سب سانپوں کے منھ کھول کھول کر مجھے دکھائے ــــ اور میں نے دیکھا کہ سانپوں کے دانت اور زہر دل کی پوٹلیاں بالکل قدرتی حالت میں تھیں۔

میرے پاس نہ الفاظ نہیں کہ میں اس وقت کی اپنی حالت کا اندازہ بتا سکوں ــــــ آج مجھے پتہ چلا کہ سلومی ڈاکٹر زبیر سے بھی زیادہ پُراسرار اور کسی غیر معمولی طاقت کی مالک لڑکی ہے ــــــ میری سمجھ میں ہی نہیں آرہا تھا کہ آخر یہ کس طرح ممکن ہے ــــــ؟ یہ کیسے ہو سکتا ہے ــــــ؟ کہ یہ زہریلے سانپ سلومی کو نہ کاٹتے ہوں ــــــ اور اگر یہ ممکن ہے تو صرف اسی صورت میں جب کہ سلومی جادوگرنی ہو ــــــ یا وہ انسان نہ ہو بلکہ کوئی مافوق الفطرت شخصیت ہو ــــــ

اس میں شک نہیں کہ بہت سے انسان بھی مافوق الفطرت طاقتوں کے مالک ہوتے ہیں۔ لیکن اس طرح کے حالات آج تک نہ میرے سننے میں آئے تھے نہ میری نظر سے گذرے تھے ــــــ

اس وقت سلومی کی شخصیت کا رعب کچھ اس طرح میرے حواس پر چھا گیا کہ میں اس سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا۔ حالانکہ بہت کچھ کہنا چاہتا تھا ــــــ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے میرے پاس الفاظ کا ذخیرہ ختم ہو گیا ہے یا زبان حلق میں پھنس کر رہ گئی ہے ــــــ

آخر جب سلومی نے کچھ دیر کے بعد تمام سانپوں کو ان کی جگہوں پر رکھ دیا تو میں صرف اتنا کہہ سکا۔

"حیرت ہے ــــــ تم ایسی باکمال لڑکی کم از کم میری نظر سے آج تک نہیں گزری" ــــــ

"اچھا" ــــــ اُس نے شوخی سے کہا اور اپنی صندلیں باہیں میری گردن میں ڈال دیں ــــــ لیکن میرے احساسات پر حیرت کا اثر اس قدر طاری تھا کہ میں اس کی گرمجوشِ محبت کا جواب ہی نہ دے سکا۔

لیبارٹری کو اچھی طرح دیکھنے کے بعد ہم دونوں واپس ہوئے۔ محمود صوفے پر پڑا ہوا کسی کتاب کے مطالعہ میں مصروف تھا۔۔۔ سلومی نے کمرے میں داخل ہوتے ہی خوش مزاجی سے کہا۔۔۔

"محمود صاحب! امید ہے کہ آپ کافی بور ہوئے ہونگے۔"

"نہیں"۔۔۔ محمود نے کتاب میز پر رکھتے ہوئے مسکرا کر جواب دیا۔۔۔ "میں ایسی تنہائیوں کا عادی ہوں"۔۔۔ پھر میری جانب مخاطب ہو کر کہا۔ "کہو بھئی! واپس چلنے کا ارادہ نہیں ہے کیا"؟۔۔۔

"چلو"۔۔۔ میں نے جواب دیا۔

محمود چلنے کے لئے اٹھ رہا تھا کہ سلومی نے جلدی سے کہا۔۔۔ "نہ نہ، تکلیف نہ کیجئے۔۔۔ شاید آپ لوگوں نے وہ مقولہ نہیں سنا کہ "آمدن بارادت رفتن بہ اجازت"۔۔۔

"سنا تو ہے"۔۔۔ محمود نے جواب دیا۔۔۔

"پھر آپ نے میری اجازت کے بغیر جانے کا پروگرام کیسے بنالیا۔۔۔ آج آپ لوگ بغیر کھانا کھائے نہیں جا سکتے"۔۔۔

"جی ہاں!۔۔۔ کیا آپ کا غریب خانہ کو رونق بخشنے کا جرم کچھ کم ہے۔۔۔ سزا تو اس کی یہ تھی کہ آپ کو زندگی بھر کے لئے رکھ لیا جاتا۔۔۔ لیکن خیر چلئے معاف کر دیا۔۔۔ اور شام کے کھانے پر ہی اکتفا کر لیا گیا ہے"

"ایک تو آپ کا زندگی بھر کے لئے اسیر ہو ہی گیا ہے۔۔۔ اور خادم آپ کے اسیر کا اسیر ہے۔۔۔ پھر فرمائیے پوری سزا میں کیا کمی رہ گئی۔" محمود نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔۔۔

"اچھا" ــــ سلومی نے شرماتے ہوئے جواب دیا ــــ اور میری جانب بڑی تیکھی نظروں سے دیکھ کر مسکرا دی ــــ لیکن افسوس ہے کہ اس وقت میں اس کی ان کیف بار نگاہوں سے لطف اندوز نہ ہو سکا ــــ بلکہ ایک بار مجھے سلومی کی آنکھوں میں پھر ویسی ہی ایک جھلک نظر آئی جیسی "ہمارا سانپ" کی آنکھوں میں پائی جاتی ہے ــــ جس کا ذکر میں شروع میں مفصّل طور پر کر چکا ہوں۔

میں سلومی کو اپنی جانب دیکھتے ہوئے یونہی زبردستی مسکرا دیا اور خود کے پاس صوفے پر بیٹھ گیا ــــ یکایک مجھے خیال آیا کہ سلومی نے تھوڑی دیر پہلے کہا تھا کہ اس کے پاپا کو سب کچھ معلوم ہو گیا ہے ــــ چنانچہ میں نے مزید تفصیل معلوم کرنے کے لئے اس سے سوال کیا ــــ

"اگر اس وقت تمہارے پاپا آجائیں تو" ــــ ؟

"تو کچھ بھی نہیں" ــــ اس نے ماتھے پر جھولتی ہوئی بالوں کی ایک لٹ کو ہٹاتے ہوئے کہا ــــ "میں نے بتایا نا کہ انھیں سب کچھ پہلے سے معلوم ہے" ــــ

"لیکن کس طرح ــــ دریافت طلب سوال تو یہی ہے" ــــ

"دراصل وہ بہت جہاندیدہ آدمی ہیں ــــ انہیں پہلے ہی دن ہم دونو کی بے تکلفی سے کچھ شک سا ہو گیا تھا۔ چنانچہ انہوں نے مردان کو میری حرکات و سکنات پر نظر رکھنے کے لئے کہہ دیا۔

اور تیسرے روز جب میں تم سے ملی تو مردان ہماری تمام نقل و حرکات پر نظر رکھے ہوئے تھا ــــ وہ وہیں قریب کی کسی جھاڑی میں چھپا ہوا ہمیں دیکھتا رہا۔ اور ہم سمجھتے رہے کہ ہماری ملاقاتیں خفیہ ہیں۔"

"بہت خطرناک آدمی ہے یہ مرزبان" ——— میں نے کہا ———

"بہت زیادہ ——— آپ کے تصور سے بھی کہیں زیادہ" ——— اس نے سر ہلا کر میری تائید کرتے ہوئے کہا ———

"پھر تمہیں کیسے پتہ چلا کہ مردان تمہاری نگرانی کرتا ہے" ———

"پہلی مرتبہ جب تم چلے گئے تو واپسی پہ اتفاق سے میری نظر ایک جھاڑی میں چھپے ہوئے مردان پر پڑ گئی ——— جب میں نے دیکھ لیا۔ تو اس کو تمام راز ظاہر کرنا پڑا ——— کیونکہ وہ پاپا کے علاوہ مجھ سے بھی بہت ڈرتا ہے"———

"یہ تو بُرا ہوا" ——— میں نے کسی قدر تشویش سے کہا ———

"نہیں ——— اگر بُرا ہوا ہوتا تو اب تک پاپا یہ تمام راز جاننے کے بعد خدا جانے کیا کچھ کر ڈالتے ——— اس وقت ان کی خاموشی کے معنی ہیں۔ کہ بُرا نہیں ہوا" ——— اس نے نہایت اطمینان سے کہا ———

مَیں نے اپنے دل ہی دل میں کہا ——— کہ تمہیں کیا معلوم تمہارے پاپا کی اس خاموشی میں بھی کتنی ہلاکتیں پنہاں ہیں ——— انہوں نے کتنی بڑی سازش ہم دونوں کو پاکم از کم مجھے ختم کرنے کے لینے کی ہے ——— میرے دل میں آیا کہ اس روز کا اپنے اوپر گذرا ہوا حادثہ سلومی سے بھی کہہ دوں ——— لیکن پھر یہ سوچ کر خاموش ہو گیا کہ راز افشا ہو جانے کے بعد نہ جانے واقعات کیا صورت اختیار کر لیں ——— ؟

تھوڑی دیر کے بعد مردان کمرے میں داخل ہُوا اور اس نے نہایت ادب سے کہا ———

"بی بی! ——— کھانا لگا دیا ہے" ———

"اچھا" ——— اُس نے مردان کو جواب دیا ——— اور پھر ہم سے کہا۔

"چلیئے پہلے کھانے سے فارغ ہو لیں" ——

"چلیئے" —— محمود نے جواب دیا۔

میں بھی محمود کی تقلید میں اُٹھ کھڑا ہوا —— کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ایکبار پھر میری للچائی ہوئی نگاہ سلومی کی میز کی دراز کی طرف اٹھی جس میں وہ سونے کی انگوٹھی پڑی تھی —— کاش میں اُسے کسی طرح نکال سکتا —— لیکن اب تقریباً ناممکن تھا —— کیونکہ کھانا کھا کر اس کمرے میں لوٹ کر آنے کے امکانات کم تھے۔

کھانے کی میز پر کافی تکلف برتا گیا تھا —— لیکن کھانا کھانے کے لئے کرسی پر بیٹھتے ہوئے یکایک میرے ذہن میں خیال پیدا ہوا کہ کیا ان میں سے کوئی کھانا زہر آلود بھی ہے —— ؟ زہر کا خیال آتے ہی ایک بار میرے جسم میں جھُرجھُری سی آ گئی۔ لیکن میں نے فوراً اپنے آپ پر قابو پا لیا —— میں نے دل کو سمجھا لیا۔ کہ سلومی کم از کم اس قدر سنگ دِل نہیں ہو سکتی۔ کہ خود اپنے ہاتھوں سے مجھے زہر کھلائے ——

اُس دِن کی طرح آج بھی سلومی کا کھانا ہم سے الگ لیکن ایک ہی میز پر چنا ہوا تھا! —— اس کا کھانا جدا دیکھ کر مجھے پھر تھوڑی سی حیرانی ہوئی اور چونکہ آج ڈاکٹر زبیر ساتھ نہیں تھا اس لئے میں نے سلومی سے پُوچھا ——

"کیا آپ کے لیے کسی خاص قسم کا کھانا پکتا ہے" —— ؟

"ہاں"! اس نے سر ہلا کر جواب دیا —— "میں آپ، لوگوں کا کھانا نہیں کھا سکتی۔ بچپن سے ایک ہی قسم کا کھاتی ہوں۔ پاپا اور مردان کہتے ہیں کہ جب میں بچی تھی تو ایک مرتبہ کوئی نہایت خوفناک مرض مجھے لگ گیا۔ بڑی مشکلوں سے زندگی بچی تھی۔ پھر بھی اتنی کمی ضرور رہ گئی کہ اب میں ہر چیز اپنی مرضی سے

نہیں کھا سکتی۔ بلکہ وہی مخصوص پرہیزی کھانا کھا سکتی ہوں جو ہمارا باورچی تیار کرتا ہے۔"

"حیرت ہے" ـــــ میں نے جواب دیا۔

"اچھا حیرت بعد میں کیجئے۔ پہلے کھانا کھا لیجئے" ـــــ اِس نے شوخی سے کہا ـــــ اور ہم سب کھانا کھانے میں مشغول ہو گئے۔

سلومی میرے برابر میں بیٹھی تھی ـــــ اِس کی اور میری پلیٹیں بالکل قریب قریب رکھی تھیں۔ کھانا کھاتے کھاتے نہ جانے مجھے کیا سوجھی کہ ایک مرتبہ جب دوسری طرف منہ کئے سلومی مردان سے کچھ کہہ رہی تھی میں نے ایک چمچہ شوربا بڑی پھرتی سے اس کی پلیٹ میں ڈال دیا۔

سلومی کو چونکہ اس بات کا قطعاً علم نہیں تھا۔ اس لیئے اس نے بات ختم کر کے پلیٹ کی جانب بغور دیکھے بغیر ایک لقمہ اس شوربے سے لگا کر کھا لیا ـــــ لقمہ منہ میں رکھ کر اُس نے ابھی دو تین بار ہی منہ چلایا تھا کہ ایک چیخ سی اس کے مُنہ سے نکلی۔ اور وہ تیزی کے ساتھ کرسی سے اُٹھ کر باہر بھاگ گئی ـــــ محمود اور میں حیرت سے اس کی جانب دیکھتے رہ گئے ـــــ مردان کو وہ کسی کام سے باہر بھیج چکی تھی۔ اس لیے کمرہ میں صرف میں اور محمود رہ گئے تھے۔

"کیا ہوا" ـــــ ؟ محمود نے میری جانب حیرت سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"خبر نہیں ؟" ـــــ میں نے بڑی معصومیت سے جواب دیا ـــــ" میں نے صرف اتنا کیا ہے کہ یہ سبز مرچوں والا ایک چمچہ شوربہ اس کی پلیٹ میں ڈال دیا تھا" ـــــ

محمود کی بات کا جواب دے کر مجھے فوراً خیال آیا کہ سلومی کے کھانوں

کا ذائقہ دیکھنا چاہیئے ـــــ چنانچہ میں نے اس بات کی پرواہ کئے بغیر کہ شاید اس کے کھانے میں کوئی ایسی چیز ملی ہوئی ہو۔ جو مجھے نقصان دے فوراً اس کی پلیٹ میں پڑے ہوئے کھانے کو چکھا ـــــ وہ کوئی میٹھی چیز ملی ہوئی تھی۔

اس کے بعد دوسری تمام ڈشوں میں رکھے ہوئے کھانے میں نے باری باری چکھے میں حیران رہ گیا کیونکہ تمام کھانے میٹھے تھے ـــــ اب میری سمجھ میں سلومی کے چیخ مار کر بھاگنے کا سبب آ گیا ـــــ وہ دراصل مرچیں نہیں کھاتی تھی ـــــ اس لئے مرچوں کے ایک لقمے نے اس کے منہ میں آگ سی لگا دی ہو گی!

مجھے اپنی اس حرکت اور سلومی کی تکلیف پر ہنسی آ گئی ـــــ لیکن یہ سوچے بغیر بھی نہ رہ سکا۔ کہ آخر سلومی کو بچپن میں وہ کیا مرض ہوا ہو گا جس کی احتیاط کے لیئے اب تک وہ ایک ہی قسم کا پرہیزی کھانا کھاتی ہے۔

چار پانچ منٹ کے بعد سلومی پھر کمرہ میں داخل ہوئی ـــــ اس کے دُھلے ہوئے ہاتھوں سے میں نے اندازہ لگایا کہ وہ خوب اچھی طرح کلیاں کر کے اور منہ ہاتھ دھو کر آ رہی ہے۔

"کیا ہو گیا؟ ـــــ" میں نے اس سے سوال کیا۔

اُس نے میری جانب بڑی شوخ نظروں سے دیکھ کر کہا۔

"شریر کہیں کے! ـــــ خود ہی تو شرارت کی اور خود ہی پوچھتے ہیں کیا ہو گیا تھا" ـــــ

"کیوں! میں نے کیا کر دیا؟ ـــــ" میں نے بڑی سادگی سے پوچھا۔

"تم نے میری پلیٹ میں اپنا مرچوں والا کھانا نہیں ملایا ـــــ؟ میرے تمام منہ میں اس وقت آگ سی لگ رہی ہے" ـــــ

اُس نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ ہم سب ہنس پڑے۔

"اب ہنستے ہو" ــــــ سلومی نے جھینپتے ہوئے کہا۔ اور کھانا کھانے میں مشغول ہو گئی! ــــــ

کھانے سے فراغت پانے کے بعد ہم نے رخصت کی اجازت طلب کی۔

سلومی اور مردان ہمیں پہلے دن کی طرح سڑک تک چھوڑنے آئے اور رسمی سلام دعا کے بعد ہم دونوں کار میں بیٹھ کر روانہ ہو گئے ــــــ

باب ۱۴

سونے کی انگوٹھی

راستے میں جب ہماری کار گھنے جنگل سے نکل کر کھیتوں کے بیچ بنی ہوئی ایک کچی سڑک پر دوڑی جا رہی تھی تو محمود نے مجھ سے سوال کیا۔

"کہو! آج کیا کیا باتیں ہوئیں"——؟

میں نے اُسے پورے حالات بتا دیئے جو لیبارٹری میں پیش آئے تھے محمود وہ سانپوں والا واقعہ سُن کر بہت زیادہ متعجب ہوا۔ وہ کہنے لگا۔

"مجھے اب تمہاری سلومی پر بھی اعتبار نہیں رہا——خدا کے لئے تم اس کا پیچھا چھوڑ دو۔ ورنہ کہیں مجھے ایک اچھے دوست سے ہاتھ نہ دھونے پڑ جائیں"——

"جو خدشات تمہارے دل میں ہیں وہی میرے دل میں بھی ہیں"——

میں نے جواب دیا——"لیکن محمود واقعی اب میں سلومی کو نہیں بھول سکتا۔ وہ اس طرح میرے احساس پر چھا گئی ہے کہ اب اسے اپنے تصور سے جدا کرنا ناممکن ہے"

محمود خاموش ہو گیا ـــــ شاید وہ کچھ سوچنے لگا تھا ـــــ یکایک مجھے انگوٹھی کا خیال آیا ـــــ میں نے محمود سے کہا ـــــ

"افسوس آج ایک عجیب چیز ہاتھ آتے آتے رہ گئی ـــــ اگر سلومی کمرے میں واپس آنے میں صرف ایک منٹ کی دیر کر دیتی تو میں ایک عجیب چیز حاصل کر لیتا۔ جو شاید اس مقتول نوجوان کے قتل پہ کچھ روشنی ڈال سکتی۔ جس کو ہم نے اول روز جنگل میں مردہ پایا تھا"

"اور وہ چیز سونے کی بنی ہوئی ایک انگوٹھی تھی" ـــــ محمود نے نہایت آہستگی سے کہا ـــــ اور میں حیرت کے مارے اچھل پڑا ـــــ

"تمہیں کیسے پتہ چلا" ـــــ ؟ میں نے اس کے شانے پر دباؤ دے کر کہا ـــــ

"جیسے تمہیں پتہ چلا تھا" ـــــ اس نے جواب دیا۔

"میں نے تو سلومی کے کمرے کی تلاشی لی تھی ـــــ لیکن جس وقت وہ انگوٹھی نظر آئی۔ جس میں نگینے کی جگہ خالی تھی۔ اسی وقت سلومی کمرے کے اندر داخل ہو گئی ـــــ اور میں اسے اٹھانے کی حسرت لئے ہوئے ہی صوفے پر جا بیٹھا۔ خیال یہ تھا کہ شاید سلومی پھر جائے گی، تو موقعہ مل جائے گا ـــــ لیکن وہ اس کے بعد ایک منٹ کے لئے بھی الگ نہ ہوئی ـــــ ہاں البتہ جب وہ اور میں لیبارٹری دیکھنے کے لئے چلے اور تم تنہا کمرے میں رہ گئے تو میں دل مسوس کر رہ گیا کہ کاش کسی طرح تمہیں اس انگوٹھی کے متعلق بتا دیتا۔ تاکہ تم ہماری غیر موجودگی میں اُسے حاصل کر لیتے" ـــــ

"اور میں اسے لے آیا ہوں" ـــــ محمود نے میری بات کاٹتے ہوئے کہا ـــــ

میں چونکہ اگلی سیٹ پر ہی بیٹھا تھا۔ اس لئے محمود کے منہ سے یہ خوش خبری سنکر کہ جس انگوٹھی نے مجھے اس قدر پریشان کیا تھا وہ اس نے حاصل کر لی ہے۔ مجھ سے صبر نہ ہو سکا اور میں جوشِ مسرت میں محمود سے چمٹ گیا۔ یکایک اس طرح کے حملے کے لئے محمود تیار نہ تھا ــــ اس لئے اسٹیرنگ وہیل پر محمود کے ہاتھ ڈگمگا گئے اور گاڑی سڑک چھوڑ کر سرسبز کھیتوں میں گھس گئی!

"کیا کر رہے ہو گاڑی الٹ جائے گی" ــــ محمود نے چیخ مار کر کہا اور گاڑی کے بریک لگا دیئے ــــ پھر میری طرف گھورتے ہوئے کہا ــــ "یہ کیا ہو گیا۔ تمہیں بیٹھے بٹھائے؟ ــــ اگر گاڑی الٹ جاتی" ــــ؟

"ارے میری جان! تو گاڑی الٹنے کی فکر نہ کر" ــــ میں نے مسکرا کر اس کے شانے پر بازو رکھتے ہوئے کہا ــــ "اپنی موت گاڑی کے حادثے کے ذریعے نہیں لکھی ــــ رہا یہ سوال کہ مجھے کیا ہو گیا تھا تو وہ انگوٹھی جلدی سے نکال کر مجھے دکھا جس نے میرے دماغ کو اتنا سخت پریشان کیا ہے۔

محمود نے انگوٹھی نکال کر خاموشی سے میرے ہاتھ پر رکھدی ــــ میں نے اپنی اندرونی جیب سے وہ ہیرے کا نگ نکالا اور انگوٹھی کی نگ والی جگہ میں رکھا۔ تو وہ بالکل فِٹ ہو گیا۔

"بس ثابت ہوا کہ یہ ہیرا اسی انگوٹھی کا تھا" ــــ محمود نے میرے کمر پر ایک زور سے تھپکی دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں تو یہ ثابت ہو گیا ــــ لیکن تم یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ انگوٹھی دراز سے نکالنے کا کس طرح خیال پیدا ہوا" ــــ؟

"بس یونہی! ــــ بات دراصل یہ ہوئی کہ جب دراز کی تلاشی لیتے ہوئے تم نے یکایک سلومی کے قدموں کی چاپ سنی۔ اس وقت میری نگاہ تمہارے

چہرے پر تھی ——— دراز میں انگوٹھی دیکھ کر یکایک تمہارے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے ——— اور تم اُسے اٹھانا چاہتے ہی تھے کہ یکایک سلومی کے قدموں کی چاپ تمہارے کان میں پہنچی اور تم دراز کو ایک جھٹکے کے ساتھ بند کر کے تیزی سے صوفے پر آکر بیٹھ گئے ——— اس وقت کے تمہارے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ سے میں نے اندازہ لگایا کہ دراز میں یقیناً تم نے کوئی خلاف توقع عجیب چیز دیکھی ہے۔ جسے تم حاصل کرنا چاہتے تھے لیکن نہ کر سکے۔ چنانچہ یہی سوچکر میں نے تمہارے ساتھ لیبارٹری میں جانے سے انکار کر دیا۔ تاکہ تنہائی ملنے پر میں اس کام کو پورا کر سکوں ——— اور وہی ہوا۔ میں نے تم دونوں کے جاتے ہی میز کی دراز کھول کر دیکھی۔ جس میں سلومی کی آرائشی زیبائشی چیزیں پڑی ہوئی تھیں۔ انہیں میں یہ انگوٹھی بھی تھی ——— لیکن کچھ دیر تک میری سمجھ میں بالکل نہ آسکا کہ ان چیزوں میں وہ کیا چیز ہو سکتی ہے جس نے تمہیں متحیّر کر دیا تھا ——— جب کچھ سمجھ میں نہ آیا۔ تو میں نے ایک ایک چیز اُٹھا کر دیکھی اور گذشتہ واقعات سے اس کا تعلق جوڑنے کی کوشش کی۔ لیکن ناکام رہا۔ آخر میں جب انگوٹھی اُٹھائی تو میرے ذہن میں فوراً یہ ہیرے کا رنگ آگیا جسے میں قطعاً بھول گیا تھا۔ اس طرح میں تمہاری حیرت کا سبب سمجھ گیا اور میں نے انگوٹھی اُٹھا کر اطمینان سے جیب میں محفوظ رکھ لی۔"

"واللہ محمود! آج تو تم نے کمال کر دیا ——— یقین کرو کہ کوئی بہتر سے بہتر سراغرساں بھی چہرے کے اُتار چڑھاؤ سے اس کامیاب نتیجے پر نہیں پہنچ سکتا تھا جس پر تم پہنچ گئے ———"

"شکریہ"! ——— محمود نے کار اسٹارٹ کرتے ہوئے کہا ——— "اب زیادہ تعریف نہ کرو۔ ورنہ میں سچ مچ خود کو سراغرساں سمجھنے لگونگا۔"

گاڑی فراٹے بھرتی ہوئی سڑک کے سینے پر دوڑنے لگی —— اور میں انگوٹھی کو ہاتھ میں لئے سوچتا رہا۔ کہ آخر اس انگوٹھی کا سلومی سے کیا تعلق ہے —— ؟ اور کیوں ہے ؟

" یہ انگوٹھی سلومی کے کمرے سے ملنے پر بھی کچھ تعجب ہوا محمود یا نہیں ؟" —— میں نے اس سے سوال کیا۔

" یقیناً ہوا ہے " —— محمود نے جواب دیا —— " اور صرف اس لئے نہیں کہ یہ انگوٹھی سلومی کے کمرے سے برآمد ہوئی بلکہ زیادہ تعجب اس بات سے ہوا کہ یہ انگوٹھی تمہاری سلومی کو قاتل ثابت کرتی ہے —— اگر یہ انگوٹھی واقعی سلومی کی ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس بدنصیب مقتول کو آخری بار زندہ دیکھنے والی صرف سلومی تھی۔ یا دوسرے لفظوں میں جب اس نوجوان کو کسی پُراسرار طریقہ سے ہلاک کیا جا رہا تھا۔ تو سلومی اس جگہ موجود تھی "

" بلکہ یہاں تک کہ خود سلومی ہی نے کسی پُراسرار طریقہ سے مقتول کے جسم میں زہر داخل کیا تھا " —— میں نے اس کی بات میں ایک جملہ اور بڑھاتے ہوئے کہا۔

" ہاں! یہ بھی ہو سکتا ہے " —— محمود نے اثبات میں سر ہلایا۔

" تو اس کے صاف معنی یہ ہیں کہ سلومی قاتل ہے " —— ؟ میں نے کہا۔

" میرا اندازہ تو یہی ہے " —— انگوٹھی سے نگ گر جانے سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں پہلے کچھ جدوجہد ہوئی ہوگی۔ اور چونکہ سلومی کے پاس ایک عجیب و غریب قسم کا زہریلا ہتھیار تھا اس لئے وہ اس پر غالب آگئی !"

" لیکن اگر فرض کر لیا جائے کہ اس بدنصیب مقتول کے پاس آخری وقت سلومی ہی تھی۔ یا سلومی نے ہی اسے ہلاک کیا تھا تو اس کے قتل کی وجہ کیا ہوگی ؟

"اس کی دو وجوہات ہو سکتی ہیں" ——— محمود نے ایک موڑ پر گاڑی کو گھماتے ہوئے کہا ——— "اوّل یہ کہ سلومی اپنے باپ کے جرموں میں برابر کی شریک ہو اور کسی طے شدہ سازش کے تحت اس نوجوان کو وہاں لے جا کر ہلاک کیا گیا ہو۔ یا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ڈاکٹر زبیر اس نوجوان سے کوئی خاص کام لینے کے لئے اپنے ہاں لایا ہو اور لڑکا سلومی سے محبت کرنے لگا ہو ——— لیکن سلومی اُسے پسند نہ کرتی ہو۔"

"اور صرف اتنی سی بات پر سلومی نے اُسے ہلاک کر دیا ہو" ——— میں نے محمود کی بات کاٹ کر کہا۔

"نہیں ——— صرف اتنی سی بات پر نہیں بلکہ ہوا اس طرح ہو گا کہ سلومی اور وہ مقتول نوجوان ٹہلنے کے لئے نکلے اور اس بھیانک جنگل میں پہنچ کر اس نوجوان میں یکایک کچھ تبدیلی آ گئی ——— وہ اپنی محبت کا ردِ عمل سلومی کی نفرت سے محسوس کر چکا تھا۔ اس لیئے خود کو اپنی محبوبہ سے تنہائی میں اتنا نزدیک پا کر اس کے جذبات مشتعل ہو گئے اور اس نے بغیر سوچے سمجھے سلومی کے ساتھ دست درازی شروع کر دی۔ سلومی نے مزاحمت کی اور انگوٹھی کا یہ نگینہ اسی جد و جہد میں نکل کر گر پڑا ——— لیکن انجام کار سلومی اُسے کسی نامعلوم آلہ سے ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئی ——— صرف اپنی عزت بچانے کے لئے۔"

"تو کیا سلومی کو پہلے سے علم تھا کہ وہ ٹہلنے جائیں گے تو ایسا ہو گا۔ اس لیئے اس نے وہ زہر آلود ہتھیار اپنے پاس پہلے ہی سے چھپا کر رکھ لیا تھا۔"

"ہو سکتا ہے وہ اپنی حفاظت کے لئے ہر وقت اُس پُراسرار ہتھیار کو ساتھ رکھتی ہو۔"

میں خاموش ہو گیا۔ چونکہ اب ہم بڑی سڑک پر آ چکے تھے جس پر آمد و رفت زیادہ تھی۔ اس لیئے اب محمود بھی گاڑی چلانے کی جانب متوجہ ہو گیا۔ لیکن

میرا ذہن وہیں سلومی کے گرد گھومتا رہا ۔۔۔۔۔۔ سلومی کی انگوٹھی نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ وہ آخری شخص تھی جس نے مقتول کو آخری مرتبہ زندہ دیکھا۔ اور محمود کے استدلال کی روشنی میں یہ بھی ممکن تھا کہ سلومی نے ہی اس بدنصیب کو ہلاک کیا ہو ۔۔۔۔۔۔ لیکا یک میرے دل نے سوال کیا۔

"کیا واقعی وہ اس نوجوان سے نفرت کرتی تھی ۔۔۔۔۔ ؟ یا کسی خاص مقصد کے لئے اس نے پہلے اس نوجوان سے محبت کا اظہار کیا اور بعد میں ہلاک کر دیا۔ کیا وہ مجھے بھی محبت کا فریب دے کر اسی طرح ہلاک کرنا چاہتی ہے" ۔۔۔۔۔ ؟

لیکن ان سوالوں کے جواب میرے پاس نہیں تھے ۔۔۔۔۔ صرف سلومی کے پاس تھے ۔۔۔۔۔ اس سلومی کے پاس جو میرے روم روم میں بس چکی تھی ۔۔۔۔۔۔ جو میرے دل کی گہرائیوں میں اس وقت بھی آنکھ مچولی کھیل رہی تھی ۔۔۔۔۔ جس کے ہونٹوں کو ایک بار چوم کر میں کسی زہریلے اثر کے باعث بیہوش ہو گیا تھا ۔۔۔۔۔۔

زہر کا خیال آتے ہی مجھے اپنے جسم میں کپکپی سی دوڑتی ہوئی محسوس ہونے لگی۔ جیسے سچ مچ میرے سارے جسم میں کوئی ہولناک زہر سرایت کر رہا ہو۔

"تو کیا واقعی سلومی مجھے ہلاک کرنا چاہتی ہے" ۔۔۔۔۔ ؟ میرے دل نے مجھ سے پھر سوال کیا ۔۔۔۔۔ ہو سکتا ہے کہ اس روز جو مجھ پر زہر کا پہلا تجربہ کیا تھا اس میں صرف سلومی ہی کا ہاتھ ہو ۔۔۔۔۔ ڈاکٹر زبیر بے چارہ واقف تک نہ ہو" ۔۔۔۔۔

"لیکن نہیں ایسا نہیں ہو سکتا" ۔۔۔۔۔ میں نے اپنے دل کو سمجھایا ۔۔۔۔۔ سلومی تو مجھ سے محبت کرتی ہے ۔۔۔۔۔ بے انتہا محبت ۔۔۔۔۔ وہ گھنٹوں اس خوفناک جنگل میں تنہا بیٹھی ہوئی میرا انتظار کرتی رہتی ہے جب میں اس کے قریب جاتا ہوں تو فرط خوشی سے گلاب کی خوش رنگ کلی کی طرح کھل کر پھول بن جاتی ہے ۔۔۔۔۔ اس کے چہرے پر کس قدر معصومیت ہے ۔۔۔۔۔ نہیں ۔۔۔۔۔ ایسی بھولی شکل

کبھی فریب کار نہیں ہو سکتی ـــــ ایسی معصوم صورت ـــــ!
لیکن ـــــ وہ سلومی کی دو چمکدار آنکھیں جن میں پُراسرار
سانپ کی آنکھوں جیسی چمک ہے ـــــ جن میں بجلی سے زیادہ تڑپ ہے ـــــ
جن میں آفتاب کی سی تیزی اور حدّت ہے ـــــ کیا ان آنکھوں میں کوئی گہرا
راز پوشیدہ ہے ـــــ؟ کیا وہ پُراسرار آنکھیں کسی طرح کے سحر کی حامل ہیں
ـــــ؟ اگر نہیں تو پھر کیوں ان آنکھوں کو دیکھ کر میرے سارے جسم میں سنسنی
سی دوڑ جاتی ہے ـــــ؟ کیوں مجھے ان آنکھوں سے ایک نامعلوم سا خوف
محسوس ہونے لگتا ہے ـــــ؟ کیا واقعی سلومی کوئی جادوگرنی ہے ـــــ؟
میں آنکھیں بند کئے نہ جانے کب تک اسی طرح سوچتا رہا ـــــ یکایک
محمود کی آواز نے مجھے چونکا دیا ـــــ میں نے آنکھیں کھول دیکھا تو ہم گھر
پہنچ چکے تھے ـــــ

باب ۱۵

سفر

اس ملاقات کے بعد اتفاق ایسا ہوا کہ ایک طویل عرصہ تک میں سلومی سے ملنے نہ جا سکا —— ہوا یہ کہ تقریباً ہفتہ بھر تک تو مجھے اور محمود کو کچھ ایسی کاروباری مصروفیتیں رہیں جو کافی اہم تھیں —— جنہیں ہم کسی صورت میں بھی نظر انداز نہیں کر سکتے تھے —— اور ساتویں آٹھویں روز جب شام کو ہم دونوں سلومی کے ہاں چلنے کی تیاری کر رہے تھے تو ملازم نے ایک تار لا کر دیا۔ جس میں محمود کے اور میرے ایک مشترکہ دوست محسن کی سخت علالت کا ذکر تھا ——
چنانچہ یہ تار پا کر ہم سلومی کے ہاں جانا بھول گئے —— فوراً ریلوے ٹائم ٹیبل دیکھا گیا تو پتہ چلا کہ ڈیڑھ گھنٹہ بعد ایک گاڑی چلتی ہے —— سفر چونکہ تقریباً بارہ چودہ گھنٹہ کا تھا اس لیے راستے میں آسائش کا خیال رکھتے ہوئے مناسب سامان ساتھ لینا ضروری تھا —— میں نے ملازم کو سامان کے متعلق ہدایات دے کر اسے بستر باندھنے کے لئے بھیج دیا اور خود سلومی کو معذرت کا ایک خط لکھنے

کے لئے الاٹ شدہ بیڈ روم میں چلا گیا ——

خط ختم کر کے ابھی میں لفافے میں بند ہی کر رہا تھا کہ محمود آیا اور کہنے لگا۔

"اس مرتبہ تو قدرت کچھ تمہاری محبت کے خلاف جا رہی ہے" ——

"کیوں" —— ؟ میں اس کی جانب پلٹ پڑا۔

"یہی کہ ایک ہفتہ تو تم کاروباری مصروفیتوں کی بنا پر سلومی سے ملنے نہ جا سکے۔ اور آج خدا جانے کیا کیا تمنائیں اور کیسے کیسے ارمان لے کر حسن کی حضور میں پہنچنے کی تیاری کر رہے تھے کہ محسن کی علالت کا تار آ گیا" ——

"چلو ایسا بھی ہوتا ہے زندگی میں —— پیش آمدہ حالات سے مفر کس طرح ہو سکتا ہے" ——

"لیکن یہ خط کسے لکھ رہے ہو" —— ؟ اس نے میرے ہاتھ میں لفافہ دیکھ کر سوال کیا۔

"سلومی کو لکھا ہے —— نہ آنے کی معذرت کے لئے —— وہ غریب ہر تیسرے روز حسب وعدہ میرا انتظار کرتی ہو گی"

"خوب!" —— محمود نے جواب دیا —— "گھبراہٹ میں شاید آج تمہاری عقل کہیں چرنے چلی گئی ہے" ——

"کیوں" —— ؟ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"بندہ خدا! یہ خط بھجواؤ گے کس کے ہاتھ" —— ؟

"اُفوہ" —— میں سر کو پکڑ کر بیٹھ گیا —— "واقعی یہ تو مجھے خیال بھی نہ آیا تھا —— پھر اب کیا کرنا چاہئے" —— ؟

"کچھ بھی نہیں ہو سکتا" —— محمود نے جواب دیا —— "تمہارے اور میرے علاوہ اس مقام کا کسی کو پتہ نہیں۔ اس لئے خط کا پہنچنا ناممکن ہے"۔

اتنے میں ملازم نے آکر اطلاع دی کہ سامان باندھ کر تیار کر دیا گیا ہے۔
ملازم کو دیکھ کر مجھے خیال آیا کہ کوشش کر دیکھنی چاہیئے شاید پتہ بتانے پر کوئی سمجھ دار ملازم یہ کام کر سکے ـــــ حالانکہ کامیابی کی امید کم تھی۔ پھر بھی میں نے اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
یہ ملازم جو ابھی سامان درست ہونے کی اطلاع لایا تھا ابھی کوئی چار پانچ روز ہوئے ہمارے ہاں ملازم ہُوا تھا۔ اور ان چار پانچ روز میں ہی اپنی شرافت دیانتداری اور سمجھ داری کی وجہ سے اس نے ہمارے دلوں میں اپنے لئے جگہ حاصل کر لی تھی۔ پڑھا لکھا بھی تھا۔ اس لئے قاصد کے انتخاب کے لئے سب سے پہلے میری نظر اُسی پر گئی ـــــ چنانچہ میں نے اُس سے پُوچھا۔
"اگر کوئی اہم کام تمہارے سپُرد کیا جائے تم اُسے ذمہ داری سے پُورا کر دگے" ـــــ؟
"جہاں تک میرا تعلق ہے۔ مَیں جب کسی کام کی ذمہ داری لیتا ہوں تو اُسے انجام تک پہنچا کر ہی دم لیتا ہوں" ـــــ
"خوب! ـــــ لیکن اس میں دقت یہ ہے کہ تمہیں ہم ایک ایسی جگہ بھیجنا چاہتے ہیں جہاں تم پہلے کبھی نہیں گئے ـــــ اور راستہ نہایت پُر پیچ بلکہ خطرناک بھی ہے" ـــــ
"پُر پیچ اور خطرناک راستوں پر سفر کرتے ہوئے مجھے مسرت حاصل ہوتی ہے" ـــــ اس نے مسکرا کر کہا۔
میں نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا ـــــ اُس کے مسکراتے ہوئے چہرے پر ایک عزمِ مصمم کے آثار مجھے نظر آئے ـــــ وہ کافی خوبصورت نوجوان تھا ـــــ اور چہرے کے نقوش بتا رہے تھے کہ شریف خاندان سے تعلق رکھتا

سے ہے۔

گردش زمانہ کے باعث بیچارہ ایسی معمولی ملازمت کرنے پر مجبور ہوگیا تھا۔ اس کے ہمت ہار دینے کے بجائے ایسی معمولی ملازمت کر کے اپنی بسر اوقات کرنے میں ایک عزم پنہاں تھا ——— اس لئے میرے دل میں یقین ہو گیا کہ یہ ضرور وہاں پہنچ سکتا ہے مگر ابھی ایک اور الجھن باقی تھی۔ کہ وہ جائے گا کس طرح ——— میں چاہتا تھا کہ وہ تنہا جائے۔

"فرمایئے! کیا حکم ہے"؟ ——— اس نے مجھے خاموش دیکھ کر پوچھا۔

"راستہ دشوار ہونے کے علاوہ ایک اور الجھن بھی میرے سامنے ہے"۔

"وہ کیا" ——— ؟ اس نے پر اشتیاق لہجہ میں پوچھا۔

"وہ یہ کہ راستہ طویل بھی بہت ہے اگر موٹر پر جایا جائے تو تقریباً ڈیڑھ گھنٹہ صرف پہنچنے میں لگ جاتا ہے۔ اس لیے پیدل جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ——— اور موٹر ڈرائیور کو میں تمہارے ساتھ بھیجنا پسند نہیں کرتا"۔

"نہ بھیجئے" ——— اس نے لاپرواہی سے کہا ——— میں خود کار چلا لوں گا"۔

اس کے منہ سے یہ الفاظ سنکر میں خوشی کے مارے اچھل پڑا۔

"کیا تم کار چلانا جانتے ہو" ——— ؟ میں نے سوال کیا۔

"جی ہاں! ———

اب مجھے سو فیصدی یقین ہو گیا کہ میرا پیغام سلومی تک ضرور پہنچ جائیگا۔ ——— مجھے خواب میں بھی خیال نہیں آسکتا تھا کہ یہ نوجوان اس قدر خوبیوں کا مالک ہو سکتا ہے۔

اس کی جانب سے یقین ہو جانے کے بعد میں نے اُسے راستوں کا نقشہ

بتا کر دکھایا اور زبانی جس قدر بہتر اور بلیغ طور پر میں اسے سمجھا سکتا تھا اچھی طرح سمجھا دیا ــــ آخر میں اُس گھنے جنگل کا نقشہ بتاتے ہوئے میں نے اس سے کہا ــــ "جس قسم کی نشانیاں میں نے منزلِ مقصود کو سمجھنے کے لیے تمہیں بتائی ہیں ویسی چیزیں وہاں ہر تھوڑی دُور پر تمہیں ملیں گی ــــ وہاں ایک نیا آدمی ہر قدم اور ہر موڑ پر فریب کھا سکتا ہے ــــ اب یہ تمہاری ذہانت اور فہم پر منحصر ہے کہ تم منزلِ مقصود کو کتنی دیر میں پا لیتے ہو!"

"آپ بالکل بے فکر رہیں" ــــ اس نے جواب دیا ــــ "اُلجھنوں کو سلجھانا اور ایسی بھول بھلیوں میں راستے تلاش کرنا مجھے خوب آتا ہے" ــــ

اس کے بعد میں نے اسے خط دے کر سلومی کی تصویر دکھاتے ہوئے کہا ــــ تمہارا کام صرف اتنا ہے کہ یہ خط اس لڑکی تک پہنچا دو ــــ اگر تم وقت مقررہ پر پہنچ گئے تو یہ تمہیں وہاں منتظر ملے گی" ــــ

"ایسا ہی ہوگا" ــــ اس نے جواب دیا اور خط لے کر جیب میں رکھتے ہوئے طلب کر کے باہر چلا گیا۔ اور اس کے جانے کے آدھ گھنٹہ کے بعد ہی ہم بھی اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔

باب ۱۶

چالاک ملازم

محسن کی طبیعت بڑی سنجیدگی کے ساتھ علیل تھی مسلسل ایک ماہ تک وہ زندگی اور موت کے درمیان معلق لٹکا رہا ـــــ ایسی حالت میں جب کہ یہ خبر نہیں تھی کہ شام سے صبح تک یا صبح سے شام تک وہ بچے گا بھی یا نہیں ـــــ ہمارا اُسے چھوڑ کر چلا آنا شرط وفاداری کے خلاف تھا۔ اس لئے ہمیں بھی ایک ماہ تک اُس کے ساتھ ہی زندگی کی الجھنوں سے برسرِپیکار رہنا پڑا۔ آخر خدا خدا کر کے ایک ماہ کے بعد جب یہ اُمید ہوئی کہ وہ خطرے سے باہر ہو گیا ہے تو ہم نے اور اس کے تمام اعزا نے اطمینان کا سانس لیا۔

اس دوران میں میرا کیا عالم رہا۔ اس کی شرح کرنا تقریباً ناممکن ہے ـــــ سلومی کے تصور نے ایک لمحے کے لئے بھی مجھے چین نہیں لینے دیا۔ وہ اس کی میٹھی میٹھی باتیں ـــــ ہلکے ہلکے بے باک قہقہے ـــــ ہلکی ہلکی مسکراہٹیں مجھے ہر وقت یاد آتی رہیں۔ باوجود اس کے کہ سلومی کی جانب سے میرے دل میں سینکڑوں خدشات

پیدا ہو چکے تھے ۔ میں نے محسوس کیا کہ سلومی کے بغیر میری زندگی بالکل خشک ہو جاتی ہے ۔۔۔ وہ ہماہمی اور وہ کیف باقی نہیں رہتا ۔۔۔ ہر چیز بدرونق اور بھدی نظر آنے لگتی ہے ۔ صبح کی ہلکی ہلکی ہوائیں بھاری اور بوجھل محسوس ہونے لگتی ہیں ۔ کسی چیز کو چھونے تک کو جی نہیں چاہتا ہے ۔۔۔ حتیٰ کہ ذائقہ تک بدل جاتا ہے ۔

سلومی کی ایک ماہ کی مفارقت میں ہی جب میں نے اپنا یہ حال دیکھا تو میں نے سوچا کہ اگر خدا نخواستہ کبھی سلومی سے ہمیشہ کے لیے جدا ہونا پڑا ۔ تو میرا کیا بنے گا ۔۔۔ ؟ میں کس طرح زندہ رہ سکوں گا ۔۔۔ ؟

ادھر محمود بھی مجھ سے کچھ کم بے چین نہ تھا ۔۔۔ دراصل اسے پُراسرار اور حیرت ناک حالات میں حصہ لینے سے صرف شوق ہی نہیں بلکہ عشق تھا ۔۔۔ ۔ اسی لیے ڈاکٹر زیبرا اور سلومی کی پُراسرار ذات نے اس کی پوری توجہ اپنی جانب مبذول کر لی تھی ۔

ایک بات میں بتانا بھول گیا کہ جب ہم اپنے شہر کو چھوڑ کر یہاں آئے تھے ۔ اس وقت تک نہ تو کلکتہ پولیس ہیڈ آفس سے ہمارے تار کا ہی کوئی جواب آیا تھا ۔ اور نہ ہی کوئی سراغرساں آیا تھا ۔۔۔ ڈاکٹر گھوش بھی محکمہ پولیس کی اس بے فکری اور تاخیر پر حیران تھے ۔۔۔ محمود کا خیال تھا کہ ہماری عدم موجودگی میں کوئی سراغرساں ضرور آ گیا ہوگا ۔۔۔ اور وہ اس وقت تک کتنے ہی رازوں کا انکشاف کر چکا ہوگا ۔ یہی سب کچھ جاننے کے لیے محمود بہت بے تاب تھا ۔

ہمارا نیا ملازم جسے میں نے سلومی کے لیے خط دے کر بھیجا تھا اپنے مقصد میں کامیاب رہا تھا ۔ میرا خط سلومی تک پہنچ گیا تھا ۔ جس کے جواب میں سلومی نے بھی ایک خط لکھا تھا ۔ جو ملازم نے ڈاک کے ذریعہ مجھے بھجوا دیا تھا ۔۔۔ میں نے اپنے خط میں وجہ تاخیر اور مزید ایک ماہ کی غیر حاضری کے لئے معذرت طلب کی تھی ۔ اور سلومی

کا خط پورا محبت نامہ تھا۔ جس میں ہجر و وصال کے قصے۔ اشتیاق ملاقات کے افسانے اور امید و یاس کی داستانیں غرض سب کچھ درج تھا۔

خیر جب محسن کی طبیعت رو بہ صحت ہو گئی۔ تو ہم اس سے اجازت لے کر واپس آ گئے۔

گھر آ کر میں نے سب سے پہلے اس ملازم کو تنہائی میں بلا کر سوال کیا۔

"تم بہ آسانی پہنچ گئے تھے" ـــــ ؟

"جی ہاں بڑی آسانی کے ساتھ ـــــ بلکہ یہ کہئے کہ کار خود بخود اُس مقام پر پہنچ کر رک گئی۔ جہاں وہ روز جا کر ٹھہرتی تھی"!

میں اس کی خوش مذاقی پر مسکرائے بغیر نہ رہ سکا ـــــ پھر اُس سے پوچھا۔

وہاں وہ لڑکی منتظر ہو گی" ـــــ ؟

"سلوی کا ذکر کر رہے ہیں آپ ـــــ جی ہاں! وہ وہاں منتظر تھیں"۔

"اوہو ـــــ تمہیں اس کا نام بھی معلوم ہو گیا" ؟ ـــــ میں نے کہا پھر میں نے دل میں سوچا کہ ضرور اس نے ہمارے خط کھول کر پڑھے ہونگے ورنہ اسے ذرا سی ملاقات میں ہی اس کا نام کیسے معلوم ہو جاتا۔

"جی ہاں" ـــــ ! اس نے اپنی ذہین اور متجسس آنکھیں میرے چہرے پر گاڑتے ہوئے کہا ـــــ "اس مختصر سی ملاقات میں صرف نام ہی نہیں، بلکہ مجھے بہت کچھ معلوم ہو گیا"!

"وہ کیا ـــــ ؟ میں نے حیرت سے اُسے دیکھا

"یہی کہ آپ دونوں آپس میں محبت کرتے ہیں۔ لیکن سلوی" . . . . . ؟

وہ کچھ کہتا کہتا رک گیا تو میں نے جلدی سے پوچھا ـــــ ہاں کیا ـــــ

سلومی "_____؟"

"وہ کافی پُراسرار اور عجیب و غریب لڑکی ہے"۔

"اچھا"_____! میں نے انجان بنتے ہوئے پوچھا_____"تم نے کس بات سے سمجھا کہ وہ پُراسرار لڑکی ہے"_____؟

"یونہی اندازہ ہے میرا"_____ اُس نے سرسری سا جواب دیا۔ اور کسی کام کا بہانہ کرکے مسکراتا ہوا واپس چلا گیا۔

جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ اس موضوع پر مزید گفتگو کرنا نہیں چاہتا_____ لیکن اس کی ہلکی سی مسکراہٹ سے میں نے اندازہ لگایا کہ مجھ پر طنز کر رہا ہے۔ یا اس کے دل میں کوئی ایسی بات ضرور پوشیدہ ہے جسے میں نہیں جانتا_____ میں نے اسے آواز دے کر روکنا چاہا۔ پھر یہ سوچ کر کہ ملازم کی چاپلوسی کرنا اُسے بگاڑ دیتا ہے۔ میں خاموش ہو گیا_____ لیکن اس میں شک نہیں کہ اس کی ان باتوں نے مجھے کافی الجھن میں ڈال دیا۔

باب ۱۷

ایک اور ثبوت

دوسرے روز میں سلومی سے ملنے گیا۔ وہ مجھے دُور سے دیکھتے ہی دوڑ کر چمٹ گئی ـــ وفورِ مسرّت سے اس کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے ـــ اُس کے اس شوقِ ملاقات اور گرمجوشی کو دیکھ کر مجھے اپنے آپ سے ندامت سی محسوس ہوئی۔ کہ میں گذشتہ دنوں ایسے پُر خلوص اور محبت کرنے والی لڑکی سے خوفزدہ ہوکر اندیشوں میں گھر رہا ہوں۔

اگر سلومی میں کوئی رازِ پوشیدہ بھی ہے ـــ یا وہ کسی غیر معمولی قوّت کی مالک بھی ہے تو ہُوا کرے ـــ اس کی محبت تو عام انسانوں جیسی ہے۔

اس کے سینے میں دل تو گوشت پوست کا ہی دھڑکتا ہے ـــ اس میں جذبۂ خلوص و وفا تو ہے ـــ لیکن اپنے دل کو یہ تمام تسلیاں دینے کے باوجود میں شعوری یا لاشعوری طور پر اس کے ہونٹوں کو ایک بار بھی نہ چوم سکا۔

حالانکہ میں نے اس کی گرم جوشی کا جواب بڑی سخت گرم جوشی سے دیا ـــ

اُس کے رخساروں۔ پیشانی اور گردن پر بوسوں کی بوچھاڑ کر دی ـــــ پاگلوں کی طرح اُسے اپنے سینے سے چمٹا چمٹا کر مسل مسل کر رکھ دیا ـــــ

اس وقت ہم دونوں اس طرح ملے۔ جیسے برسہابرس کی جدائی کے بعد ایک دوسرے سے ملے ہوں۔

جذبات کے تلاطم میں جب ذرا سکون ہو گیا تو دورانِ گفتگو میں نے سلومی سے پوچھا۔

"تم اس روز میری بجائے ایک اجنبی شخص کو کار سے اترتے ہوئے دیکھ کر حیران تو ضرور ہوئی ہوں گی"۔

"حیرانی کی بات ہی تھی ـــــ لیکن جب اس نے تمہارا خط دیا تو مجھے اطمینان ہو گیا" ـــــ کچھ دیر ٹھہر کر اس نے سوال کیا۔

"وہ تمہارا ملازم ہے" ـــــ ؟

"ہاں ـــــ جس دن وہ تم سے آکر ملا ہے اُس سے صرف ایک ہفتہ پیشتر ہی اُسے ملازم رکھا تھا"۔

"لیکن اس کی باتوں سے پتہ چلتا ہے کہ وہ شخص ایسی معمولی ملازمت نہیں کر سکتا ـــــ بڑا پُراسرار سا شخص ہے وہ"

"کیوں" ـــــ ؟ میں نے سوال کیا۔

"اب دیکھئے نا آپ نے صرف زبانی پتہ بتا دیا۔ اور وہ ایسے دشوار مقام پر بڑی آسانی کے ساتھ پہنچ گیا ـــــ اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ بے حد ذہین ہے ـــــ اور ظاہر ہے کہ ذہین آدمی معاش کے لیے، اس سے بہتر ذریعہ بھی پیدا کر سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ تعلیم یافتہ بھی ہے"۔

"اس میں شک نہیں کہ آدمی بہت ذہین ہے ـــــ لیکن پُر اسرار کہاں تک ہے اس کے متعلق میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ حالانکہ اسکی بھی تمہارے متعلق یہی رائے ہے کہ تم کوئی پُر اسرار لڑکی ہو۔"

"اچھا" ـــــ اس نے حیرت سے کہا۔ اور پھر کچھ سوچکر گفتگو کا موضوع بدل دیا ـــــ "خیر چھوڑو ـــــ یہ بتاؤ اتنے دن تک وہاں کیا کرتے رہے"۔

میں نے تاخیر کی وجہ اُسے پُوری تفصیل سے بتا دی۔

باتیں کرتے کرتے یکایک میرا خیال سلومی کی اس انگوٹھی کی طرف گیا۔ جو محمود اس کے سنگھار میز میں سے نکال لایا تھا۔ میں آہستہ سے جیب میں ہاتھ ڈال کر وہ انگوٹھی اپنی چھوٹی انگلی میں پہن لی اور پھر نہایت لاپرواہی سے دو تین بار ہاتھ کو اس طرح رکھا کہ سلومی کی نگاہ اس انگوٹھی پر پڑ جائے۔

پہلے تو سلومی نے کچھ خیال نہ کیا۔ لیکن جب ایک بار اس کی نگاہیں انگوٹھی پر پڑیں۔ تو اس کے چہرے کا رنگ ایک دم اس طرح بدلا جیسے اُسے بجلی کا کرنٹ چھو گیا ہو۔ اور اُس کی نگاہیں مقناطیسی قوت کے زیرِ اثر انگوٹھی میں جذب ہو کر رہ گئیں ـــــ جو بات وہ کر رہی تھی۔ وہ ادھوری رہ گئی اور وہ بالکل اس طرح ساکت رہ گئی جیسے کسی ماہر سنگ تراش نے سنگ مرمر کا بُت تراش کر رکھ دیا ہو۔

میری نگاہیں سلومی کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں اور میں دیکھ رہا تھا کہ مختصر سے وقفہ میں ہی اس کا چہرہ کئی رنگ بدل چکا تھا۔

"کیا ہوا" ـــــ؟ میں نے انجان بنتے ہوئے پُوچھا۔

وہ ایک دم چونک پڑی اور پھر ٹالنے کے سے انداز میں مُسکرا کر بولی "کچھ بھی نہیں ـــــ دراصل کبھی کبھی مجھے نہ جانے کیوں گھبراہٹ سی معلوم ہوتی ہے۔ اور میں کچھ دیر کے لئے اپنے ہوش میں نہیں رہتی۔" ـــــ

"اچھا" ___؟ میں نے اس کی چالاکی پر حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا ___ "پھر تمہیں اپنا علاج کرانا چاہیئے"!

"کچھ نہیں۔ معمولی سی بات ہے۔ تم فکر نہ کرو" ___ یہ کہہ کر اس نے بڑے انداز سے میرے گلے میں اپنی صندلی باہیں حمائل کر دیں ___ اور پھر یکایک میرے ہاتھ کو اس طرح پکڑ کر جیسے اس نے انگوٹھی کو اب دیکھا ہو تعریفی لہجہ میں کہا۔

"بڑی خوبصورت انگوٹھی ہے۔ کہاں سے لی ہے یہ آپ نے" ___؟

میں اس کی اس شاطرانہ گفتگو کی دل ہی دل میں داد دیئے بغیر نہ رہ سکا ___ ظالم پہلے انگوٹھی دیکھ کر کس قدر پریشان ہوئی۔ لیکن کتنی جلد اپنے آپ پر قابو پا کر اسی انگوٹھی کے متعلق سوال کر لیا۔ جیسے وہ یقیناً یہ پہچان چکی تھی کہ وہ اس کی ہے۔

"یہ میرے ایک شکاری دوست نے تحفتہً دی تھی" ___ میں نے انگوٹھی اتار کر اس کے ہاتھ پر رکھتے ہوئے کہا ___ وہ کہتا تھا کہ ایک مرتبہ شکار کے دوران میں یہ انگوٹھی اسے کسی جنگل میں پڑی ہوئی ملی تھی"!

سلومی نے انگوٹھی کو الٹ پلٹ کر دیکھا اور پھر میری انگلی میں پہناتے ہوئے کہا ___ "بہت اچھی ہے۔ خدا مبارک کرے"!

میں نے وہ انگوٹھی دوبارہ اتار کر سلومی کی انگلی میں پہناتے ہوئے کہا ___ "کیا میں اپنی جانب سے یہ حقیر تحفہ پیش کر سکتا ہوں" ___؟

"نہیں نہیں اس کی کیا ضرورت ہے" ___ اس نے متعجب انداز میں انکار کرتے ہوئے کہا ___ "ہماری محبت تحفے تحائف کی محتاج نہیں"!

"یہ تو میں بھی سمجھتا ہوں ___ لیکن میں اپنی نشانی کے بطور یہ تمہیں پہنانا

چاہتا ہوں" ـــــ مزید اصرار مناسب نہ سمجھ کر وہ خاموش ہوگئی ـــــ
میں نے انگوٹھی اُسے پہنا دی اور بڑے پیار سے اس کا ہاتھ چُوم لیا
انگوٹھی اس کی اُنگلی میں بالکل ٹھیک تھی۔ یعنی یہ دوسرا ثبوت اس بات
کا تھا کہ انگوٹھی سلومی ہی کی ہے ـــــ اور اب اس بات میں شک کی کوئی
گنجائش نہیں رہی تھی کہ اس مقتول نوجوان کے پاس آخری وقت میں سلومی
ہی تھی ـــــ یا بقول محمود اس نوجوان کی قاتل سلومی ہی تھی۔

سلومی کا نرم و نازک ہاتھ میرے ہاتھ میں تھا۔ اور میں سوچ رہا تھا کہ
یہ کس طرح ممکن ہو سکتا ہے کہ اس نازک ہاتھ سے کسی انسان کا قتل ہوا ہو۔
ـــــ ان ہاتھوں میں اتنی طاقت اور جرأت کہاں کہ کسی کو ہلاک کر سکیں۔ لیکن
افسوس یہ ہے کہ میری خوش فہمی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ کیونکہ
حالات سراسر سلومی کے خلاف تھے۔ اس وقت تک جتنے ثبوت فراہم ہوئے
تھے وہ سب یہ ظاہر کرتے تھے کہ مقتول کو آخری بار زندہ دیکھنے والی صرف
سلومی تھی۔ اور جس طریقہ سے اُس بدنصیب کو ہلاک کیا گیا ہے اس میں بھی
کسی خاص مردانگی یا طاقت کی ضرورت نہیں تھی۔

"کیا سوچنے لگے" ـــــ یکایک سلومی کی مترنم آواز نے مجھے چونکا دیا۔
ـــــ میں نے سلومی کے چہرے پر نگاہیں گاڑتے ہوئے کہا۔

"کچھ بھی نہیں" ـــــ

میری نگاہوں میں ایک تجسّس تھا ـــــ ایک حیرت تھی۔ اور ایک
ہلکی سی بے چینی کی جھلک تھی ـــــ سلومی نے مجھے اپنی جانب اس طرح
گھورتے دیکھا تو ایک بار پھر اس کے چہرے پر ہلکی سی پیلاہٹ دَوڑ گئی۔ اُس نے
فوراً ہی اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا ـــــ

"ایسے غور سے کیا دیکھ رہے ہو میرے چہرے پر" ——؟

"میں اپنی قسمت کا حال پڑھنے کی کوشش کر رہا ہوں" ——

"قسمت کا حال تو اپنی اپنی پیشانی پر ہوتا ہے" —— اُس نے مسکرا کر کہا ——

"لیکن میری قسمت تم سے وابستہ ہو چکی ہے" —— میں نے جواب دیا —— اور اُس نے جوشِ محبت سے مغلوب ہو کر اپنا سر میرے شانوں پر رکھ دیا —— میں نے بھی اُسے اپنی آغوش میں کھینچ کر اپنے جلتے ہوئے ہونٹ اس کی شفاف پیشانی پر چپکا دیئے۔

نہ جانے کب تک ہم دونوں اسی طرح آنکھیں بند کئے ایک دوسرے سے چمٹے ہوئے بیٹھے رہے —— یکایک محمود کے ہارن نے ہمیں چونکا دیا جس کے معنی یہ تھے کہ اٹھو ملاقات کا وقت ختم ہو چکا ہے۔

"اچھا اجازت" —— میں نے آہستہ سے سلومی کو جدا کرتے ہوئے کہا۔

"دل تو نہیں چاہتا" —— اُس نے میرے ماتھے پر آئی ہوئی بالوں کی ایک لٹ کو ہٹاتے ہوئے کہا —— "لیکن اگر تم —— رک نہیں سکتے تو جاؤ۔ خدا حافظ! ——

میں چل پڑا۔ لیکن دو قدم چل کر پھر ایک بات مجھے یاد آگئی —— میں نے پلٹ کر پوچھا ——

"کیا تمہارے پاپا آگئے" ——؟

"وہ تو اس کے دوسرے روز ہی آگئے تھے جس روز تمہیں میں ساتھ لے گئی تھی" ——

"پھر مردان نے انہیں سب کچھ بتا دیا ہوگا" ——؟

"مردان سے پہلے میں نے خود ہی تذکرہ کر دیا تھا"———

"کچھ خفا تو نہیں ہوئے تھے"———؟

"بالکل نہیں"———

"چلو خدا کا شکر ہے——— ورنہ مجھے تو ڈر لگ رہا تھا کہ کہیں ہماری ملاقاتوں میں کوئی الجھن پیدا نہ ہو جائے"

"ایسا خیال بھی نہ کیجئے——— میں صرف تمہاری ہوں اور جب تک میرے جسم میں جان باقی ہے مجھے تم سے ملنے کے لئے کوئی نہیں روک سکتا——— دنیا کی بڑی سے بڑی طاقت اگر میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو گی تو میں اُسے مسل دوں گی"———

اُس نے بڑے رجز نشیلے انداز میں یہ بات کہی——— اُس کے منہ سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ یہ ظاہر کرتا تھا کہ اس وقت وہ اپنے پورے ارادے اور تمام عزائم کے ساتھ مجھے اپنی محبت کا یقین دلا رہی ہے۔

"شکریہ!——— اچھا خدا حافظ"——— میں اس کا شکریہ ادا کر کے تیزی سے چلتا ہوا کار میں جا بیٹھا۔ اور محمود نے کار اسٹارٹ کر دی۔

اس روز رات کو بستر پر لیٹ کر ایک بار پھر میں نے شروع سے آخر تک تمام حالات کا جائزہ لیا۔ لیکن کوئی ایسا خاص نکتہ سمجھ میں نہ آیا۔ جس کے ذریعے میں اپنی ذہنی الجھنوں کو سلجھا سکتا بلکہ معاملہ ہر قدم پر اور الجھتا ہی جا رہا تھا۔

مزید حیران کن بات یہ تھی کہ کلکتہ پولیس کو ایک ٹیلی گرام اور ایک تفصیلی خط لکھنے کے باوجود ان کی جانب سے اس وقت تک نہ تو کوئی جواب ہی آیا تھا! اور نہ کوئی سراغرساں۔ پولیس کی اس غفلت پر ڈاکٹر گھوش بھی متحیر تھے اور ہم بھی——— خیال یہ تھا کہ اگر دو چار دن تک کوئی اطلاع کلکتہ سے نہ آئی۔ تو تمام واقعات بتا کر

مقامی پولیس سے کچھ مدد حاصل کی جائے۔

میں ڈاکٹر گھوش کی اس تجویز سے بھی متفق نہیں تھا. صرف انکے خلوص کا احترام کرتے ہوئے مجھے ان کی ہاں میں ہاں ملانی پڑی —— مجھے خوف صرف یہ تھا کہ ڈاکٹر زبیر کے ساتھ سلومی ضرور لپیٹ میں آجائیگی —— اور چونکہ اس وقت تک جتنے حالات کا ہمیں علم تھا ان میں سلومی کا کردار بھی کچھ مشکوک سا تھا. اس لئے مجھے اس کی جانب سے اور بھی زیادہ اندیشہ ہوگیا تھا.

باوجود اس کے کہ سلومی میری نظروں میں کافی مشتبہ ہوگئی تھی. میرا دل یہ نہیں چاہتا تھا کہ وہ کسی مصیبت میں مبتلا ہو —— وہ خواہ کچھ بھی تھی. لیکن میں تو اس سے شدید محبت کرتا تھا —— پھر بھلا میں کس طرح اُسے اپنے ہاتھوں پریشانی میں مبتلا کر سکتا تھا.

اور اس میں بھی اب کسی قسم کے شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی تھی کہ اس مقتول نوجوان کو اگر سلومی نے اپنے ہاتھ سے قتل نہیں بھی کیا. تو اس کو ہلاک کرتے وقت وہ موقعہ واردات پر ضرور موجود تھی.

اس سلسلہ میں کئی حل طلب معمے تھے جو میری سمجھ میں نہیں آرہے تھے —— اوّل یہ کہ وہ نوجوان کن حالات میں مارا گیا —— دوسرے یہ کہ اس کے قتل کی سازش میں کون کون شریک تھا —— اور تیسری بات جو میرے لئے سب سے زیادہ سوہانِ روح تھی وہ یہ تھی کہ کیا سلومی اس نوجوان سے محبت کرتی تھی —— ؟

گھنٹوں میں ان معموں کو حل کرنے کی کوشش کرتا رہا. لیکن ناکام رہا —— اور خدا جانے کب سوچتے سوچتے نیند آگئی —— !

باب ۱۸

رقیب

تقریباً بیس بائیس روز گذر گئے۔ ہماری ملاقاتیں بدستور جاری رہیں ــــــ خدا کا شکر ہے کہ اس دوران میں کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا ــــــ ڈاکٹر گھوش نے دو ایک بار مقامی پولیس کو تمام حالات بتا دینے پر زور دیا لیکن میں نے انہیں حکمت عملی سے ٹال ٹال دیا ــــــ

ایک روز بارہ بجے کے قریب مجھے کسی کام کے لیے اپنے اس نئے ملازم کی ضرورت پڑی جس کے ہاتھ میں نے سلومی کو خط بھیجا تھا ــــــ لیکن اُسے بلانے پر دوسرے ملازم نے بتایا کہ وہ تین چار گھنٹے کی چھٹی لیکر کہیں گیا ہے۔ کسی ملازم کا تین چار گھنٹے کی چھٹی لے کر چلا جانا کوئی بُری بات نہیں تھی۔ لیکن اس کا چلا جانا نہ جانے مجھے کیوں عجیب سا لگا ــــــ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ملازمت کے لئے بات کرتے وقت اس نے بتایا تھا کہ وہ اس شہر میں بالکل اجنبی ہے ــــــ نہ اس کا کوئی دوست ہے اور نہ رفیق ــــــ بظاہر

ہے کہ نئے شہر میں اتنی جلدی کوئی ایسا دوست نہیں بن سکتا تھا جس کے ساتھ تین چار گھنٹے کا وقت گذارا جا سکے۔ اور اگر کوئی دوست بن بھی گیا تھا تو اس سے گھنٹہ آدھ گھنٹہ میں بات چیت ہو سکتی تھی ــــــ

میں نے ملازم سے پوچھا ــــــ

"کیا یہ سبحان پہلی اس نے اپنا نام بتایا تھا، اس سے پہلے بھی کبھی چھٹی لے کر گیا ہے" ــــــ ؟

"جی ہاں ــــــ کئی مرتبہ ــــــ وہ اپنا سارا کام ختم کرنے کے بعد دوپہر کو محمود صاحب سے چھٹی لے کر کئی بار جا چکا ہے" ــــــ

اور واپس کتنی دیر کے بعد آتا ہے" ــــــ ؟ میں نے کچھ بے چینی سے پوچھا۔

"تین چار گھنٹہ کے بعد" ــــــ

ملازم کا جواب سن کر میں حیرت سے اچھل پڑا ــــــ لیکن میں نے مصلحت کا خیال رکھتے ہوئے ملازم سے کہا ــــــ

"اچھا! کوئی بات نہیں۔ تم جاؤ ــــــ جب سبحان آئے تو اُسے میرے پاس بھیج دینا" ــــــ

ملازم چلا گیا۔ تو میں نے بے چینی سے اُٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا ــــــ میرا دماغ پہلے ہی کیا کچھ کم اُلجھنوں کا مسکن بنا ہوا تھا کہ یہ ایک اور معمہ اس کم بخت سبحان کا سامنے آ گیا ــــــ دراصل میرے دل میں اس کے متعلق شک تو اسی روز ہو گیا تھا جب اس نے بڑی بے باکی سے سلومی کو پُراسرار کہہ دیا تھا۔ اور پھر میری بات کا جواب دیئے بغیر طنز سے مسکراتا ہوا چلا گیا تھا۔ اور آج کی بات نے اس شک کو اور شدید کر دیا ــــــ لیکن

یہ شک کس قسم کا تھا ـــــــ؟ یا میں اس پر کیا الزام لگانا چاہتا تھا۔ اس کے متعلق میں خود بھی لاعلم تھا۔

ٹہلتے ٹہلتے کئی بار میں نے سوچا کہ ایک معمولی ملازم کی ذرا سی بات کو بڑھا کر اس قدر مشکوک نگاہوں سے دیکھنا بالکل غلط ہے۔ ہو سکتا ہے اس نے یہاں کسی لڑکی سے محبت شروع کر دی ہو۔ اور دوپہر کے پر سکون وقفے میں اُسے کہیں تفریح کرانے لے جاتا ہو ـــــــ یا اور کسی دوست کے ہاں دل بہلانے چلا جاتا ہو ـــــــ اس میں آخر اس قدر پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے ـــــــ؟

کئی کئی طرح میں نے خود کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن خدا جانے کیوں میرا دل کہتا تھا کہ اس طویل چھٹی کی تہ میں ضرور کوئی راز ہے ـــــــ اور بقول سلومی کے واقعی یہ ملازم کچھ پراسرار سا ہے ـــــــ؟

کئی بار مجھے اپنے ان خیالات پر ہنسی بھی آئی کہ سلومی کے چکر میں پڑ کر ایسے میں ہر چیز کو پُر اسرار سمجھنے لگا ہوں۔ پھر بھی میں وہ شبہ اپنے دل سے نہ نکال سکا۔ جو میرے ذہن پر نقش ہو چکا تھا ـــــــ آخر میں نے اس کی نقل و حرکت پر نظر رکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اُسی روز میں نے محمود سے مل کر اس سے کہہ دیا کہ اس مرتبہ سبحان جب چھٹی لے کر جائے تو مجھے بتا دینا۔ محمود نے اس کی وجہ پوچھی تو میں نے اُسے ٹال دیا۔

چار پانچ روز کے بعد ساڑھے بارہ بجے کے قریب محمود نے مجھے بتایا کہ سبحان نے آج پھر اُس سے چھٹی طلب کی ہے ـــــــ!

میں نے بظاہر سرسری طور پر اس بات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دی تا کہ

محمود سمجھ سے کہ دقتی طور پر اس روز کوئی بات تھی۔ اب مجھے ملازم کی ذات میں کوئی دلچسپی نہیں لیکن درپردہ میں نے اس کا تعاقب کرنے کی تیاری شروع کر دی۔
اور جس وقت سبحان کوٹھی سے باہر نکل کر بازار کی سمت چلا تو اس سے کچھ فاصلہ دے کر میں نے بھی اس کا تعاقب شروع کر دیا۔

اسی طرح درمیان کا فاصلہ قائم رکھتے ہوئے میں سبحان کے پیچھے چلتا رہا —— دوپہر کا وقت ہونے کی وجہ سے آمدورفت کم تھی۔ اس لئے مجھے اپنے آپ کو اس کی نظروں سے چھپانے کے لئے کافی محتاط رہنا پڑ رہا تھا —— تقریباً بیس منٹ ہم دونوں اسی طرح آگے پیچھے چلتے رہے۔ اس دوران میں سبحان نے ایک مرتبہ بھی لوٹ کر نہیں دیکھا —— آخر وہ ایک بڑی سی موٹر ورکشاپ کے دروازے میں غائب ہو گیا۔

میں ورکشاپ سے کچھ دور کھڑا ہو کر اس کا انتظار کرنے لگا —— مجھے خیال ہوا شاید اس ورکشاپ کا کوئی کاریگر اس کا دوست ہو گا جس سے ملنے آیا ہے —— یہ سوچ کر اس وقت مجھے پھر اپنی اس حماقت پر ہنسی آئی کہ خواہ مخواہ شک کی بنا پر میں ایک ملازم کے پیچھے مارا مارا پھر رہا ہوں۔

پندرہ منٹ گزر گئے اور وہ باہر نہ آیا۔ میں بھی کھڑے کھڑے اکتا گیا تھا —— اور اب گھر واپس ہو جانے کے متعلق سوچ ہی رہا تھا —— کہ ورکشاپ کے دروازے سے ایک براؤن رنگ کی موٹر باہر نکلی —— اور جب وہ میرے سامنے سے گذری تو حیرت کے مارے میرے منہ سے ایک چیخ نکلتے نکلتے رہ گئی۔

آپ اس وقت کی میری پریشانی اور حیرانی کا اندازہ نہیں کر سکتے جب میں نے

دیکھا کہ اس کار کو سبحان ڈرائیو کر رہا تھا۔ اور اس کی برابر والی سیٹ پر سلومی بیٹھی ہوئی تھی۔

دس منٹ تک میں سکتے کے عالم میں اپنی جگہ پر بت بن کر رہ گیا ـــــ اتنی سخت بدحواسی شاید مجھ پر پہلے کبھی طاری نہ ہوئی ہوگی ـــــ میری سمجھ میں ہی نہ آ رہا تھا کہ یہ کیا معاملہ ہے ـــــ اور اب مجھے کیا کرنا چاہیئے؟

سلومی اور سبحان دونوں کا ایک دوسرے کو پُراسرار کہنا ـــــ اور پھر اس طرح چوری چوری ملنا الجھن میں ڈال دینے والی بات تھی یا نہیں ـــــ؟

بہت دیر میں اسی جگہ کھڑے کھڑے نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا ـــــ جب اور کچھ نہ سوجھا تو میں ورکشاپ میں گھس گیا۔ اور ورکشاپ میں بڑی مغز پچی بڑی پوچھ گچھ کے بعد صرف اتنا پتہ چلا کہ وہ نوجوان یعنی سبحان اکثر گاڑی ان کے ہاں سے کرایہ پر لے جاتا ہے اور تین چار گھنٹے بعد واپس کر جاتا ہے ـــــ وہ لڑکی کبھی اس کے ساتھ ہوتی ہے اور کبھی نہیں۔ بعض اوقات وہ لڑکی دس پندرہ منٹ پہلے ورکشاپ میں آ کر اس کا انتظار کرنے لگتی ہے۔

اور جب میں نے پوچھا ـــــ کہ یہاں سے موٹریں ہر آدمی کو کرایہ پر مل جاتی ہیں یا کچھ ضمانت دینی پڑتی ہے ـــــ؟ تو پتہ چلا کہ شخصی ضمانت سے بھی کام چل جاتا ہے۔ لیکن اس نوجوان کے معاملے میں تو ورکشاپ کے مینجنگ ڈائرکٹر نے حکم دے رکھا ہے کہ وہ جس وقت آئے اسے گاڑی دے دی جائے ـــــ!

یہ معلومات حاصل کرنے کے بعد میری حیرت میں اور اضافہ ہو گیا ـــــ اور حیرت کی بات تھی ـــــ کہ ایک معمولی ملازم کے متعلق کسی کمپنی کا مینجنگ ڈائرکٹر ضمانت دے ـــــ یا سلومی اس کا ورکشاپ میں آ کر

انتظار کرے ——— "یقیناً اب بات میرے غور و فکر سے باہر ہو چکی ہے۔" میں نے خود سے کہا ——— اور تھکے تھکے قدموں کے ساتھ گھر واپس آ گیا ———!

باب ۱۹

سُراغرساں

گھر آنے کے بعد میں نڈھال ہو کر اپنے بستر پر گر پڑا ـــــ اس وقت میرے اندر اس قدر ہمت بھی نہیں تھی۔ کہ محمود کو سارے واقعات بتا کر اس سے کچھ مشورہ ہی کر لیتا ـــــ ایک عجیب تھکاوٹ اور اضطراب سا پورے جسم میں محسوس ہو رہا تھا ـــــ

گھنٹہ بھر تک یونہی آنکھیں بند کئے پڑا رہا۔ اور نہ جانے کیا کیا سوچتا رہا۔ ـــــ یکایک ذہن کے ایک حصّے میں بجلی سی کوند چمکی اور امید کی ایک شعاع مجھے اپنی نگاہوں کے سامنے کپکپاتی ہوئی محسوس ہونے لگی ـــــ مجھے خیال آیا کہ سبحان کے کمرے کی اور اس کے سامان کی تلاشی لینی چاہیئے ـــــ کیونکہ اب مجھے یقین ہو گیا تھا کہ سبحان دراصل وہ نہیں ہے جو وہ ظاہر کرتا ہے، ـــــ اس معمولی شخصیت کے پس منظر میں کوئی اور ہی ہستی کام کر رہی ہے، ـــــ یہ سوچ کر میں فوراً اُٹھ کھڑا ہوا ـــــ گھڑی دیکھی۔ تو

معلوم ہوا کہ سبحان کو گئے ہوئے دو گھنٹے گزر چکے تھے۔ سلومی چونکہ اس کے ساتھ تھی۔ اس لئے یقیناً وہ اس کو گھر چھوڑنے گیا ہوگا جس کے معنی یہ تھے کہ وہ کم از کم ایک گھنٹہ تک گھر نہیں لوٹے گا۔ گو ایسی خفیہ تلاشی کے لئے وقت بہت کم تھا۔ پھر بھی میں بڑی پھرتی کے ساتھ گھر کے تمام چابیوں کے گچھے ایک باریک ریتی اور دو ایک سخت تاروں کے ٹکڑے جمع کر کے تلاشی کی مہم کے لئے تیار ہو گیا ——!

دوپہر کا وقت تھا تمام ملازم اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے تھے یا کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ اور اتفاق سے جو کمرہ سبحان کو رہنے کو دیا گیا تھا وہ ملازموں کے کمرے سے ذرا الگ بھی واقع ہوا تھا۔ اس لئے بغیر کسی دشواری کے میں اس کے کمرے کا باہر والا تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا۔ اور اندر سے دروازہ بند کر لیا۔

اندر کمرے میں ایک معمولی سا بستر —— کھونٹیوں پر چند میلے کچیلے کپڑے اور چارپائی کے نیچے ایک بڑا سا جست کی موٹی چادر کا بنا ہوا صندوق رکھا تھا —— بس یہ کل کائنات تھی —— صندوق میں بھی ایک مضبوط سا تالا پڑا ہوا تھا ——

میں نے پندرہ منٹ کی جدوجہد کے بعد نہایت اطمینان سے وہ تالا بھی کھول دیا —— صندوق کھول کر دیکھا تو اوپر نہایت معمولی قسم کے دھلے ہوئے کپڑے رکھے تھے جنہیں پہن کر سبحان کام کرتا تھا —— لیکن نیچے ایک نہایت اعلیٰ قسم کا سوٹ رکھا ہوا تھا —— میں نے کوٹ پر ٹیلرنگ شاپ کا لیبل دیکھا تو اس پر کلکتہ لکھا ہوا تھا۔

میں ابھی اس سوٹ کو ہی الٹ پلٹ کر حیرت سے دیکھ رہا تھا کہ اس کے نیچے ایک چھوٹا سا لوہے کا صندوقچہ اور نظر آیا —— وہ لوہے کا چھوٹا سا

بکس میں نے باہر نکال کر رکھ لیا۔ اور سارے صندوق کی تلاشی لی۔ لیکن سوٹ کے علاوہ کوئی چیز نہیں ملی۔ سوٹ کی تمام جیبیں تلاش کیں ان میں سے بھی کچھ نہ نکلا۔ آخر مایوس ہو کر اس آہنی بکس کی جانب پلٹا ـــــ وہ بھی مقفل تھا۔

اور اس میں تالا بھی بڑا عجیب سا لگا ہوا تھا۔ بڑی دیر کوشش کے بعد پتہ چلا۔ کہ اس میں کوئی چابی فٹ ہی نہیں آتی ـــــ تقریباً آدھے گھنٹے تک میں مغز ماری کرتا رہا۔ لیکن وہ بکس نہ کھلا ـــــ اور مجھے سخت مایوسی کا سامنا کرنا پڑا۔

اب سبحان کو گئے ہوئے تین گھنٹے گذر گئے تھے۔ اور اس کے آنے کا وقت ہو چکا تھا ـــــ آخر میں نے یہ فیصلہ کیا کہ دوسری بار سبحان جب اتنے لمبے وقفے کے لئے باہر جائے گا۔ تو اس بکس کو کھولنے کی کوشش کروں گا ـــــ اس دوران میں اس کے تالے کی چابی بھی بنوالی جائے گی۔

چابی بنوانے کے لئے میں نے یہ کیا کہ وہیں ایک طاق میں موم بتی رکھی تھی۔ اس میں سے تھوڑا سا موم لے کر اس کو ملائم کیا اور تالے کے سوراخ میں داخل کر کے اس کے سائز کا نقشہ موم پر حاصل کر لیا۔ اس کے بعد بڑی احتیاط سے جس طرح ہر چیز رکھی تھی اسی طرح تمام چیزیں رکھ کر بکس کا تالا بند کر دیا ـــــ اور پھر کمرے کا تالا بند کر کے واپس اپنے کمرے میں آگیا۔

میرے آنے کے دس منٹ بعد ہی سبحان آگیا ـــــ اور شام تک جب سبحان کے چہرے سے کوئی خاص بات ظاہر نہ ہوئی تو مجھے اطمینان ہو گیا کہ اسے تلاشی لینے کا پتہ نہیں چلا۔

شام کو میں چابی کا نمونہ لے کر ایک چابی ساز کے یہاں پہنچا۔ اس نے نمونہ رکھ لیا اور دوسرے روز ویسی ہی چابی بنا کر دے دینے کا وعدہ کیا۔

دوسرے روز تب مجھے چابی مل گئی ـــــ اور میں بے چینی کے ساتھ سبحان کے

ایک طویل وقفہ کے لیے باہر جانے کا انتظار کرنے لگا ـــــــ اس دوران میں ایک مرتبہ میں سلومی سے بھی مل آیا۔ لیکن کوئی اہم بات نہیں ہوئی ـــــــ میں نے سلومی سے سبحان یا ان کے خفیہ تعلقات کے متعلق ابھی تذکرہ کرنا مناسب نہ سمجھا ـــــــ لیکن ایک کانٹا سا میرے دل میں ضرور کھٹکتا رہا۔

محمود اور ڈاکٹر گھوش سے بھی میں نے ابھی اس نئے انکشاف کے متعلق کچھ نہیں کہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ مکمل حالات معلوم کرنے کے بعد ہی ان دونوں دوستوں کو بتاؤں گا ـــــــ اپنے دوسرے ملازم کو بلا کر میں نے کہہ دیا کہ اس مرتبہ جب سبحان تین چار گھنٹے کی چھٹی لے کر باہر جائے تو مجھے فوراً آکر بتا دینا ـــــــ لیکن سبحان کو یہ نہ بتانا۔ کہ میں اس کی ذات میں کوئی دلچسپی لے رہا ہوں۔

تین چار روز اور گزر گئے ـــــــ میں ان دنوں بے حد بے چین رہا ـــــــ سبحان کا راز معلوم کرنے کے لیے میں تڑپ رہا تھا ـــــــ مجھے یقین تھا کہ اس کے صندوق میں جو وہ لوہے کا چھوٹا سا بکس رکھا ہوا ہے اس میں ضرور کوئی اہم چیز ہو گی جو سبحان کی شخصیت پر روشنی ڈالتی ہو گی ـــــــ اس دوران میں سبحان بالکل ملازموں کی طرح کام کرتا رہا تھا۔ اس کی حرکات سے کوئی ایک بات بھی شک انگیز ظاہر نہ ہوتی تھی ـــــــ لیکن میں اکثر یہ سوچ سوچ کر حیران ہوتا تھا کہ سلومی کے اور اس کے تعلقات کس قسم کے ہیں ـــــــ؟ کیا سلومی سبحان سے بھی محبت کرنے لگی ہے؟ کیا وہ اس قدر ذلیل ہو گئی ہے کہ ہر نوجوان مرد کو دیکھ کر اس سے عشق و محبت کا کھیل کھیلنے لگتی ہے ـــــــ؟

شاید کوئی دوسرا شخص سلومی اور سبحان کے خفیہ تعلقات کے بارے میں مجھ سے کہتا تو مجھے یقین بھی نہ آتا۔ لیکن چونکہ میں سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ چکا تھا اس لیے اب شبہ کی گنجائش باقی نہ رہی تھی ـــــــ اور حیرت کی بات یہ تھی۔ کہ ڈیڑھ

دو ماہ میں ہی ان کے تعلقات اس قدر بڑھ گئے تھے کہ وہ سبحان کے نئے شہر میں آکر اس کا انتظار بھی کرنے لگی تھی۔

بہت کچھ سوچنے کے بعد میں تو اس نتیجہ پر پہنچ سکا تھا کہ یا تو سلومی واقعی آوارہ ہے اور وہ ڈاکٹر زبیر کی لاعلمی میں سبحان سے دل بہلا رہی ہے ــــــ یا شروع سے آخر تک یہ تمام ناٹک ڈاکٹر زبیر کی مرضی سے ہو رہا ہے۔ بلکہ اس کے حکم سے ہو رہا ہے ــــــ اس نوجوان کا ڈاکٹر زبیر کے گھر مہمان ہونا ــــــ پھر اس کا ہلاک ہو جانا ــــــ سلومی کا مجھ سے محبت کرنا ــــــ پھر ایک مرتبہ زہر کی ہلکی سی مقدار کھلانا ــــــ اور اب سبحان کے ساتھ تعلقات بڑھانا ــــــ یہ سب کچھ ڈاکٹر زبیر کے ایما پر ہو رہا ہے ــــــ سلومی اپنے باپ کے جرائم میں برابر کی شریک ہے اور اس کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی کی طرح ناچتی ہے۔

لیکن مصیبت یہ تھی کہ یہ سب کچھ سوچنے کے بعد جب سلومی کا معصوم اور نازک چہرہ آنکھوں کے سامنے آجاتا تو یہ تمام باتیں مجھے بے بنیاد نظر آنے لگتیں۔ اس کی محبت، گرمجوشی اور خلوص کے سامنے میرے تمام شبہات پانی کی طرح بہہ جاتے۔

خیر پانچویں روز خدا خدا کر کے ساڑھے گیارہ بجے کے قریب ملازم نے آکر بتایا کہ آج سبحان چھٹی پر جا رہا ہے ــــــ مجھے یہ خوش خبری سن کر اس قدر مسرت ہوئی۔ جیسے کوئی نہایت بڑی دولت مل گئی ہو ــــــ میں اپنی چابیاں اور تالے کھولنے کا اس دن والا سارا سامان اکٹھا کر کے بیٹھ گیا۔

بارہ بجے کے قریب سبحان اپنی کوٹھڑی کو تالا لگا کر چلا گیا ــــــ آدھا گھنٹہ میں نے اور انتظار کیا کہ شاید وہ کسی کام سے واپس آجائے ــــــ اور جب ساڑھے بارہ بج گئے۔ تو میں نے اسی ملازم کو بلایا جس نے سبحان کے جانے کی اطلاع دی تھی۔ اور اس سے کہا ــــــ

" دیکھو! میں سجان کی کوٹھڑی کھول کر اس کی تلاشی لینا چاہتا ہوں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ میری ایک نہایت قیمتی چیز گم ہو گئی ہے اور میرا شبہ ہے کہ وہ سجان نے چرائی ہے"۔

" ضرور لیجئے" ـــــ ملازم نے جواب دیا ـــــ "میرے متعلق کیا حکم ہے" ـــــ؟

" تم سجان کی کوٹھڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو جانا۔ اور خیال رکھنا۔ اگر سجان آتا ہوا نظر پڑے تو مجھے مطلع کر دینا" ـــــ

" بہت اچھا!" ـــــ ملازم نے سر تسلیم خم کیا اور باہر گیٹ کے قریب جا کھڑا ہوا ـــــ میں پہلے دن کی طرح نہایت آسانی سے سجان کی کوٹھڑی کا تالا کھول کر اندر داخل ہو گیا ـــــ صندوق کا تالا بھی کھول لیا گیا ـــــ لیکن جب لوہے کے اُس چھوٹے بکس کا تالا کھولنے کے لئے میں نے نقلی چابی جو بنوائی تھی تالے کے سوراخ میں داخل کرنا چاہی تو پتہ چلا کہ چابی قدرے بڑی ہے ـــــ منزل مقصود پر پہنچتے پہنچتے عین وقت پر اس اُلجھن نے کچھ دیر کے لئے تو مجھے بوکھلا دیا ـــــ لیکن پھر فوراً ہی مجھے اپنی جیب میں رکھی ہوئی ریتی کا خیال آیا ـــــ اور میں نے پندرہ منٹ کی لگاتار محنت سے چابی کو گھس گھسا کر تالا کھول ہی دیا۔

تالا کھول کر دھڑکتے ہوئے دل اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے میں نے صندوقچہ کا ڈھکنا اُٹھایا ـــــ اندازے کے مطابق اندر واقعی حیرت انگیز چیزیں موجود تھیں ـــــ بھلا کس کو خیال ہو سکتا تھا کہ اس چھوٹے سے بکس میں ایک بھرا ہوا پستول ـــــ اور سجان کی ایک ڈائری رکھی ہو گی۔

میں نے دونوں چیزیں نکال لیں اور حیرت سے دیکھنے لگا ـــــ پستول کو اچھی طرح دیکھ کر میں نے اپنی جیب میں ڈال لیا ـــــ ڈائری کھول کر دیکھی۔ تو

اس میں جگہ جگہ کچھ یادداشتیں سی لکھی ہوئی تھیں۔

شروع کے صفحہ پر نظر پڑی تو اس پر صاف و شستہ انگریزی میں لکھا ہوا تھا ـــــ ایش چندر ڈیٹیکٹو انسپکٹر کلکتہ ـــــ یہ نام پڑھ کر میں حیرت کے مارے اس طرح اچھل پڑا۔ جیسے میرے بچھو نے ڈنک مار دیا ہو۔

تو یہ سبحان صاحب دراصل مسٹر ایش چندر سراغرساں ہیں ـــــ اب مجھے معلوم ہوا کہ کیوں کلکتہ پولیس کی جانب سے ہمیں کوئی جواب موصول نہیں ہوا تھا ـــــ وہ ہمیں علم کئے بغیر بالا بالا ہی پوری تحقیق کرنا چاہتے تھے ـــــ اور مسٹر ایش چندر کو میرے ہاں آکر ملازم کا روپ اس لئے دھارن کرنا پڑا تھا کہ انہیں ڈاکٹر زبیر کی جائے رہائش کا پتہ نہیں تھا ـــــ نہ ہی کسی قسم کے واقعات کا علم تھا ـــــ چنانچہ تمام معلومات حاصل کرنے کا اگر کوئی ذریعہ تھا۔ تو وہ صرف میں تھا۔

اور ایش صاحب کی خوبیٔ قسمت دیکھئے کہ ایک ہفتہ کے بعد ہی انہیں خود بخود اس جگہ کا پتہ میں نے بتا دیا ـــــ یعنی جب انہیں اپنا نامہ بر بنا کر بھیجا تھا۔

میں نے سوچا ـــــ اس ڈائری میں ان کی تحقیقات سے متعلق بھی کچھ یادداشتیں ضرور نوٹ ہونگی۔ اس لئے میں نے اطمینان سے بیٹھ کر پڑھنے کے لئے اُسے بھی جیب میں رکھ لیا۔ اور صندوق وغیرہ اُسی اہتمام سے بند کر کے کوٹھری کو تالا لگا کر اپنے کمرے میں آگیا۔

اپنے کمرے میں آکر میں نے ڈائری کھولی ـــــ شروع کی تاریخوں میں کچھ ایسی یادداشتیں نوٹ تھیں جنہیں میں نہ سمجھ سکا۔ کیونکہ وہ سلومی کے معاملہ سے تعلق نہیں رکھتی تھیں۔ میں آہستہ آہستہ ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے ورق گردانی کرنے لگا۔ آخر دو سوا دو ماہ پیشتر کی ایک تاریخ پر میری نظر ٹھہری۔ جس کے نیچے

درج تھا۔

"کل صبح کلکتہ سے سوار ہوکر آج شام یہاں پہنچا۔ سیدھا پولیس اسٹیشن گیا۔ اور صاحب ڈی۔ سی سے مل کر اپنی آمد کا مقصد بیان کیا ـــــــ انہوں نے ہر طرح کے تعاون کا یقین دلایا ہے گو کلکتہ میں میرے دوست ابناش چندر نے مشورہ دیا تھا کہ میں یہاں پہنچ کر اُن حضرات سے ملوں اور ان کے علم میں لا کر اپنی تفتیش کو جاری رکھوں۔ لیکن میں یہ مناسب نہیں سمجھتا میں ان کے علم کے بغیر سب کام کرنا چاہتا ہوں۔ اب سوال یہ رہ جاتا ہے کہ اس جگہ کا پتہ کیسے معلوم ہو ـــــــ؟ خیر! کوئی بات نہیں۔ کل کوئی ترکیب کرلی جائے گی" ـــــــ!

پوری عبارت پڑھنے کے بعد مجھے یقین ہوگیا کہ یہیں سے راغب سانیش کی داستان کی ابتدا ہوتی ہے ـــــــ آگے چل کر تین چار ورق خالی تھے۔ صرف ایک صفحہ پر یہ دو تین لائنیں درج تھیں:۔

"بڑی کوششوں کے بعد آج محمود صاحب کے یہاں ملازمت حاصل کرلی ہے۔ مجھے یقین ہے کہ یہیں سے تمام حالات کی کھوج لگا سکوں گا۔"

اس کے بعد پھر تین چار ورق خالی چھوڑ کر لکھا تھا:۔

تقدیر آجکل عروج پر ہے۔ بغیر جدوجہد کے ہی تمام کام خود بخود ہوتے جارہے ہیں ـــــــ کل اسلم صاحب نے خود ہی بلا کر ان لوگوں کا پتہ بتادیا ـــــــ پتہ یہ چلا کہ اسلم اس پُراسرار ڈاکٹر کی لڑکی سے محبت کرتے ہیں۔ یقیناً میں نے بہت اچھا کیا کہ ان لوگوں

کی لاعلمی میں اپنا کام شروع کیا۔ ورنہ یہ اسلم صاحب اپنی محبوبہ کو پھانسنے کے لئے ضرور راستے کی رکاوٹ بنتے ——— چنانچہ کل میں اس لڑکی سے مِل آیا ہوں۔ لڑکی کافی حسین ہے۔ مجھ جیسا سخت دِل انسان بھی اُس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

چلتے ہوئے اتفاقاً اس کے باپ ڈاکٹر زبیر سے بھی ملاقات ہو گئی میں اِدھر اُدھر کی باتوں میں لگا کر سلومی سے اس کے باپ کے گذشتہ حالات معلوم کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ ڈاکٹر زبیر آ گیا۔ مجھ پر نظر پڑتے ہی پہلی بار تو اُس نے مجھے اس طرح دیکھا کہ میں کانپ سا گیا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ مجھے پہچانتا ہے۔ لیکن بعد میں جب سلومی نے تعارف کرایا کہ یہ اسلم صاحب کے ملازم ہیں۔ تو اس کی تیوری نرم پڑی ———

آج میں نے ڈی۔ سی صاحب سے مل کر ایک موٹر کی درخواست کی۔ انہوں نے ایک موٹر ورکشاپ کے مالکوں کو فون کر دیا ہے کہ وہ مجھے جب ضرورت ہوا کرے۔ ان کی ذمہ داری پر کار دے دیا کریں!" ———

آٹھ دس ورق چھوڑ کر پھر لکھا تھا:۔

"یقیناً یہ شخص کلکتہ کا ڈاکٹر شیرازی ہے۔ گذشتہ مرتبہ جب میں بہانہ بنا کر سلومی سے ملنے گیا تھا تو اپنے بہت چھوٹے کیمرے سے ڈاکٹر زبیر کا فوٹو بھی لے آیا تھا آج اس کے پرنٹ نکال کر اب سے بیس سال قبل کے ڈاکٹر شیرازی سے اس کی تصویر ملائی۔ تو ماسوا زمانہ کے نشانات یا ڈاڑھی کے عِلاوہ سر مو فرق نہیں ہے ———

اسلم اور محمود دونوں صاحبان ابھی تک باہر سے واپس نہیں آئے
ـــــــ اور اچھا ہے ابھی کچھ روز نہ آئیں۔ تاکہ میں آزادی سے
کچھ کر سکوں ـــــــ اِس میں شک نہیں کہ ان کے ہاں کی ملازمت
مجھے راس کافی آئی ہے" ـــــــ

کچھ اوراق پر ہندسوں میں کچھ لکھا ہوا تھا۔ اور کچھ اقلیدس کی سی شکلیں بنی
ہوئی تھیں۔ جن سے میں نے اندازہ لگایا۔ کہ وہ اس نے کچھ بہت ہی مخصوص یادداشتیں
نوٹ کی ہیں یا کسی جگہ کے خاکے بنائے ہیں اس کے بعد تیسرے یا چوتھے صفحے پر درج
تھا ـــــــ

"بہت دنوں سے میں اپنے دل کی آواز دبائے ہوئے تھا لیکن
آج اعتراف کرنا ہی پڑتا ہے کہ سلومی کا حُسن بڑا افسوں کار ہے۔ نہ جانے
کیوں بس سلومی کی جانب کھنچتا چلا جا رہا ہوں ـــــــ مجھے اس سے
محبت ہو گئی ہے ـــــــ وہ بھی مجھ سے دو ملاقاتوں کے بعد ہی
بے تکلف ہو گئی ہے۔ اور اب تو میرے ساتھ شہر بھی گھومنے آ جاتی
ہے۔ بعض اوقات خود مجھ سے ملنے کے لئے اسی ورکشاپ میں آ جاتی
ہے اور وہاں کے کسی آدمی سے مجھے اطلاع کرا دیتی ہے ـــــــ
افسوس ـــــــ! مجھے اسلم بے چارے پر ترس آ رہا ہے۔ وہ آئیگا۔
تو اس کا کیا ہوگا ـــــــ؟ سلومی واقعی میرے حواس پر بُری طرح
چھا گئی ہے ـــــــ میں اسے حاصل کرنے کی کوشش کرونگا۔
خواہ کچھ ہو جائے ـــــــ یہ بھی خوب رہی کہ گئے اسلم صاحب
کے ملازم بن کر اور رقیب بن گئے ـــــــ اور لطف! یہ کہ سلومی
بھی اب ان کے تام سے بیزار ہو گئی ہے!" ـــــــ

یہاں تک پڑھنے کے بعد مجھے ایسا محسوس ہُوا جیسے میری آنکھوں کے سامنے سے پردے اُٹھتے چلے گئے ہوں اور سلومی اپنے مکروہ لیکن اصلی رنگ میں میرے سامنے آکھڑی ہوئی ـــــ سلومی کی بے وفائی پر سینہ سے درد کی ایک ہلکی سی لہر اٹھی اور میری آنکھوں میں آنسو بھر آئے ـــــ اب مجھے یقین ہوگیا کہ وہ اپنے باپ کے جرموں میں برابر کی شریک رہتی ہے ـــــ اس مقتول نوجوان کی ہلاکت میں یقیناً سلومی کا ہاتھ ہوگا ـــــ پھر محبت کا فریب دے کر اس روز مجھے کسی طرح زہر بھی اُسی نے کھلایا ہوگا ـــــ چنانچہ اپنی مکار فطرت کے مطابق آجکل وہ اس سراغرساں پر ڈورے ڈال رہی ہے ـــــ اب سلومی پر شک کرنے کے لئے مزید کسی ثبوت کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ میں سراغرساں ایش اور اس کو اپنی آنکھوں سے یک جا دیکھ چکا تھا۔ ان کی ملاقاتوں کی تحقیق کر چکا تھا۔ اور آج اس ڈائری نے تو سارے ثبوت مکمل کر دئے ہیں ـــــ

میں نے آئندہ حالات معلوم کرنے کے لئے ڈائری کے اوراق کو پلٹا۔ چھ سات صفحے چھوڑ کر لکھا تھا:ـ

"آخر میں نے اس سے اظہار محبت کر دیا ہے۔ گو جواب میں اُس نے واضح طور پر میری محبت کا اقرار نہیں کیا۔ لیکن اس کی خاموشی اور ہلکی ہلکی مسکراہٹ بتا رہی تھی کہ اُسے ناگوار نہیں گذرا۔ بلکہ "الخاموشی نیم رضا" کے مصداق وہ بھی مجھ سے محبت کرنے لگی ہے ـــــ

ڈاکٹر شیرازی عُرف ڈاکٹر زبیر سے بھی کافی تعلقات پیدا ہو گئے ہیں۔ لیکن ابھی تک کوئی ایسا ثبوت نہیں مل سکا ہے۔ جس سے اس کا ڈاکٹر شیرازی ہونا ثابت کیا جا سکے۔ یا کسی اور جرم کے

ماتحت گرفتار کیا جا سکے ـــــــ معلوم ہوتا ہے کے سلومی بھی اپنے
باپ کے جرائم میں شریک کار رہی ہے ـــــــ لیکن خیر کوئی پرواہ
نہیں سلومی کو تو میں کسی نہ کسی طرح ضرور بچاؤں گا۔"
میرے سینے میں غم و غصہ کی ایک تیز لہر اُٹھی ـــــــ لیکن میں
نے خود پر قابو پاتے ہوئے دو تین ورق اور الٹ دیئے ـــــ یہ اندراج اگلی گذشتہ
ملاقات کا تھا ـــ یعنی جس روز میں نے انہیں ایک ساتھ موٹر ورکشاپ سے نکلتے
دیکھا تھا ـــ لکھا تھا:۔

"ورکشاپ پہنچا۔ تو وہ میری منتظر تھی۔ کار میں بیٹھ کر ہم دونوں
ایک مکان پر پہنچ گئے ـــــ آج پورے عرصہ میں اس سے محبت
کی گفتگو کرتا رہا۔ لیکن عجیب لڑکی ہے۔ جب میں اُسے اپنی آغوش
میں لینے کی کوشش کرتا تھا۔ فوراً بجلی کی طرح تڑپ کر دُور بھاگ
جاتی تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مجھ سے اقرارِ محبت کرنے کے باوجود
وہ کچھ کھنچتی ہے یا ہو سکتا ہے وہ اپنے مکان میں کسی کے آجانے
کے باعث خوف زدہ رہتی ہو ـــــ بہر حال کچھ نہ کچھ راز ہے
ضرور ـــــ!

کہیں ایسا تو نہیں کہ وہ مجھے بے وقوف بنا رہی ہو ـــــ یہ خیال
میرے دل میں سلومی کے ہاں سے لوٹ کر پیدا ہُوا ـــــ لیکن
پھر میں نے سوچا ـــــ وہ ایسی نہیں ہے ـــ اُسکی معصومیت
ایسی فریب کار نہیں ہو سکتی ـــــ پھر بھی اس مرتبہ جاؤنگا تو میں
ضرور اُسے اپنی آغوش میں جکڑ لونگا۔ خواہ وہ کتنی ہی تلملائے۔
میں ضرور اس کے گلابی ہونٹوں کے امرت سے اپنے ہونٹوں کی پیاس

بجھاؤں گا۔ میں اس مرتبہ اس کے رخساروں پر اسکی بلوریں گردن پر اس کی شفاف پیشانی پہ بوسوں کی اس قدر بوچھاڑ کرونگا کہ اس کی ساری اجنبیت اور کشیدگی ان بوسوں میں دفن ہو کر رہ جائیگی۔"

بس یہ آخری اندراج تھا ــــــ!

میں نے ڈائری بند کر کے میز پر ڈال دی اور مستقبل کے متعلق سوچنے لگا۔ ــــــ یکایک میرے دل میں خیال پیدا ہوا کہ اس وقت سلمیٰ کے ہاں کیوں نہ چلا جائے ــــــ؟ وہاں سراغ رساں ایش بھی ہوگا ــــــ اور کچھ نہیں تو سلمیٰ کو یہ علم ہو جائے گا کہ میں اس کی فریب کاریوں سے بے خبر نہیں ہوں ــــــ بلکہ آج میں اس کے تمام راز فاش کر دونگا ــــــ میں اس سراغ رساں کے بچے کو بتا دونگا کہ وہ جس پھول سے کھیل رہا ہے وہ پھول نہیں ہے ــــــ انگارہ ہے۔ سلمیٰ ایک نوجوان اور بے گناہ شخص کی قاتل ہے ــــــ وہ مجھ سے جنت کے عہد و پیمان کر کے مجھے زہر دینے کی کوشش کر چکی ہے ــــــ اور اب ....؟

اس سے آگے سوچنا میں نے مناسب نہ سمجھا ــــــ میں سلمیٰ کے ہاں جانے کے لئے فوراً اٹھ کھڑا ہوا ــــــ محمود کو بلانے کے لئے اسکے کمرے میں پہنچا تو پتہ چلا کہ وہ بہت دیر سے کہیں گیا ہوا ہے ــــــ وقت چونکہ کم تھا اس لئے محمود کا انتظار نہیں کیا جا سکتا تھا ــــــ میں نے مختصر الفاظ میں ایک رقعہ لکھا۔

محمود!

میں سلمیٰ کے ہاں جا رہا ہوں ــــــ بہت دنوں کی کوششوں کے بعد آج مجھے پتہ چلا ہے کہ ہمارے ہاں سبحان نام کا جو ملازم ہے

وہ دراصل کلکتہ سے آیا ہوا سراغرساں امیش چندر ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی میں نے معلوم کر لیا ہے کہ سلوچی اس وقت تک مجھے فریب دے رہی تھی۔ محبت صرف بناوٹ تھی ——— آجکل وہ مجھے چھوڑ کر سراغرساں امیش پر ڈورے ڈال رہی ہے بلکہ کافی دنوں سے دونوں میں پرائیویٹ ملاقاتیں بھی شروع ہو گئی ہیں۔ آج بھی امیش وہیں گیا ہے۔ میں بھی اس وقت وہاں پہنچ کر کچھ کرنا چاہتا ہوں ——— لیکن کیا کرونگا ——— ؟ یہ ابھی مجھے کچھ نہیں معلوم نہیں ——— وہیں جا کر کوئی فیصلہ کرونگا۔ تم اگر گھر پر جلد لوٹ آؤ۔ تو دوسری گاڑی لے کر اُدھر ہی آجانا۔

اسلم

یہ خط محمود کی میز پر رکھ کر میں نے گیرج سے کار نکالی اور بڑی سڑک پر پہنچ کر اُسے فل اسپیڈ پر چھوڑ دیا۔

باب ۲۰

خونی منظر

اس وقت میرے دل و دماغ میں ایک طوفان سا آیا ہوا تھا ـــــــ ایک غبار سا ـــــــ ایک گھٹن سی میرے سینے میں ہو رہی تھی۔ سراغرساں ایش کا پستول میری جیب میں پڑا تھا۔ اور میرے دل میں بار بار یہ خواہش سر اٹھا رہی تھی کہ وہاں پہنچ کر کوئی سوال کرنے سے پیشتر ہی دغاباز اور مکار سلومی کے سینہ کو گولیوں سے چھلنی کر دوں۔

میں اندھا دھند کار چلا رہا تھا ـــــــ ایک جنون کی سی کیفیت مجھ پر طاری ہو چکی تھی ـــــــ اس وقت مجھے کسی کو مار دینے یا خود مر جانے کا قطعی خوف نہیں تھا ـــــــ اس قدر بے قابو ہو جانے کا یہ میری زندگی میں پہلا موقعہ تھا۔ مجھے قطعاً پرواہ نہیں تھی کہ میری تیز رفتار گاڑی کسی چیز سے ٹکرا جائے گی یا کوئی اس کے نیچے دب کر مر جائے گا۔ میں تو اندھا دھند چلائے جا رہا تھا کیونکہ میں جلد از جلد سلومی کے ہاں پہنچنا چاہتا تھا۔

چنانچہ وہ راستہ جو ہم پہلے کم از کم سوا گھنٹے میں طے کیا کرتے تھے میں نے چالیس منٹ میں ختم کر دیا ـــــــــ جنگل میں آخری موڑ مڑتے ہی مجھے ایش کی کار دُور سے کھڑی ہوئی نظر آ گئی ـــــــــ اسی کے ساتھ جا کر میں نے اپنی کار کھڑی کر دی۔ اور اترنے سے پہلے اِدھر اُدھر دیکھا ـــــــــ شاید سلومی اور ایش کہیں کسی کنج میں محوِ اختلاط ہوں۔ لیکن وہ نظر نہ آئے نہ کوئی آہٹ محسوس ہوئی۔ میں نے سوچا وہ مکان پر ہی ہوں گے۔ اس لئے خفیہ دروازے کو پار کر کے پہلی مرتبہ میں اکیلا ڈاکٹر زبیر کے اس پُراسرار مکان کی جانب چلا۔ جس نے میری زندگی کا سکون چھین لوٹ لیا تھا۔

مکان پر بالکل سناٹا چھایا ہُوا تھا۔ صدر دروازہ کو میں نے دبایا تو وہ کھل گیا ـــــــــ ایک منٹ میں نے دروازے پر کھڑے ہو کر ہی سوچا کہ مجھے کیا کرنا چاہیئے ـــــ؟ اس کے بعد دبے قدموں سے سلومی کے کمرے کی طرف چل دیا ـــــــــ دوپہر کا وقت تھا۔ اس لئے شاید ڈاکٹر زبیر اور مردان وغیرہ اپنے اپنے کمروں میں آرام کر رہے ہوں گے ـــــــــ میں بغیر کوئی حادثہ پیش آئے سلومی کے کمرے تک پہنچ گیا۔ دروازہ اندر سے بند تھا۔ لیکن اندر سے سلومی اور ایش کے گفتگو کرنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ میں اندر جھانک کر دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس طرف کے دروازے میں کوئی شیشہ نہیں تھا۔ اس لئے میں برابر والے کمرے میں گھس گیا۔ اس کمرے میں سے ایک دروازہ سلومی کے کمرے میں کھلتا تھا۔ جس کے آگے بانات کا بھاری پردہ پڑا ہُوا تھا۔ میں بالکل بے آواز چلتا ہُوا اس کے دروازے تک پہنچا۔ خوش قسمتی سے اس کی چٹخنی کھلی ہوئی تھی ـــــــــ نہایت احتیاط سے میں نے دروازہ کھول دیا۔ اور سلومی کے کمرے میں پردے کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا ـــــــــ اس وقت سلومی اور سراغرساں ایش میری جانب سے

بیٹھ گئے ایک صوفے پر برابر بیٹھے تھے ـــــ ایش کہہ رہا تھا۔

"لیکن میں آج تم سے آخری جواب لینا چاہتا ہوں کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو یا نہیں ـــــ؟ اور تم مجھے باتوں میں ٹال رہی ہو۔ تقریباً پون گھنٹہ تم نے باتوں میں صرف کر دیا ہے۔"

سلومی نے اپنا ہاتھ اٹھایا اور ایش کے کاندھے پر رکھتے ہوئے جواب دیا۔

"یہ تو میں نے کبھی نہیں کہا کہ میں تم سے نفرت کرتی ہوں۔"

"لیکن یہ بھی تو نہیں کہا کہ تم مجھ سے محبت کرتی ہو ـــــ نفرت نہ کرنے کے معنی محبت کرنا تو نہیں ہیں۔" ـــــ ایش نے کہا۔

"چھوڑو بھی ان باتوں کو۔" ـــــ وہ اُٹھ کر سنگھار میز کے سامنے جا کھڑی ہوئی ـــــ ایش کے آنے سے پہلے غالباً وہ نہائی ہو گی۔ کیونکہ اسکی سیاہ ریشمی زلفیں پشت پر بکھری ہوئی تھیں۔ اس نے کنگھا اٹھایا اور آئینہ کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے بال سنوارنے لگی ـــــ ایش بھی کچھ جھنجھلایا ہوا سا اٹھا اور سلومی کے قریب جا کر کہنے لگا۔

"دیکھو سلومی! ـــــ اب مجھ میں زیادہ صبر کی تاب نہیں ـــــ تم صاف صاف کیوں نہیں بتا دیتیں کہ تم"...... اس نے بات نامکمل چھوڑ کر پشت کی جانب سے سلومی کے دونوں بازو پکڑ لئے۔

سلومی نے ایک جھٹکے کے ساتھ اپنے آپکو چھڑاتے ہوئے ذرا تیکھے لہجے میں کہا ـــــ "باتیں کرتے کرتے دست درازی پر نہ اُتر آیئے۔"

"لیکن سلومی! میں تم سے محبت کرتا ہوں۔ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔" ـــــ اس نے سلومی کو شانوں سے پکڑ کر پھر اپنے مقابل کھینچ لیا۔

میں اس عرصہ میں پردے کے پیچھے کھڑا ہوا پیچ وتاب کھاتا رہا ـــــ سلومی کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ابیش سے محبت نہیں کرتی۔ صرف اُسے ٹال رہی ہے ـــــ لیکن پھر میں نے سوچا کہ شاید یہ بھی کوئی چال ہو ـــــ اظہار محبت کا جواب خاموشی یا لاپرواہی سے دینے میں اتنا تو ضرور ہوتا ہے۔ کہ دوسرے کا جذبہ اشتیاق اپنی آخری حد تک پہنچ جاتا ہے ـــــ لیکن جب ابیش نے سلومی کو کھینچ کر بالکل اپنے سینے سے ملا لیا تو سلومی کی چیختی ہوئی آواز سن کر میں حیران رہ گیا ـــــ وہ تڑپ کر اس کی آغوش سے نکلی اور ذرا تیز لہجے میں بولی ـــــ

"سراغرساں ابیش! ـــــ تم اپنی حد سے بڑھ رہے ہو ـــــ کمرے میں مجھے تنہا پا کر زیادہ جرأت کرنے کی ضرورت نہیں ـــــ بہتر ہے کہ اس وقت آپ تشریف لے جائیں"ـــــ

ابیش بھی کچھ دیر کے لئے حیران رہ گیا ـــــ لیکن فوراً ہی اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"اوہ ـــــ تو تم میری شخصیت سے واقف ہو چکی ہو ـــــ ! اور اس کے معنی یہ ہیں کہ دراصل اس وقت تک تم مجھے اپنی محبت کا لالچ دے کر فریب دے رہی تھیں ـــــ لیکن سلومی! ـــــ میں اس قدر آسانی سے پیچھا چھوڑنے والا نہیں ہوں۔ میں اپنی محبت اور اپنے جذبات کی یہ توہین کبھی برداشت نہیں کر سکتا ـــــ میں آج تمہارا سارا غرور حسن خاک میں ملا دونگا"

اور اس نے تیزی سے بڑھ کر سلومی کو زبردستی اپنی آغوش میں کھینچ لیا ـــــ سلومی نے اپنی پوری قوت سے ایک طمانچہ ابیش کے منہ پر دیا۔ لیکن اس نے بالکل پرواہ نہ کی۔ اور دیوانوں کی طرح اسے اپنی گرفت میں اس طرح لے لیا کہ

وہ بے قابو ہو گئی ــــــ سلومی نے چیخنا چاہا تو اس نے اس کے منہ پہ اپنا ہاتھ رکھ دیا اور ہانپتے ہوئے بولا ــــــ

"مسٹر اغرساں ایش سے ٹکر لینا آسان کام نہیں ہے ــــــ آج تو میں اپنے دل کی حسرت پوری کر کے ہی رہونگا۔"

سلومی نے پھر تڑپ کر اس کی آغوش سے نکل جانا چاہا۔ لیکن وہ شاخ نازک کی طرح لچکدار لڑکی بھلا اس کے آہنی بازوؤں سے کیونکر نکل سکتی تھی آخر کوئی چارہ نہ دیکھ کر اس نے ایش کے منہ پر طمانچوں کی بارش کر دی۔ اس کے بال کھسوٹ لئے۔

ایش کی یہ جارحانہ حرکت دیکھ کر میرا بھی خون کھول گیا۔ میرے دل میں آیا کہ باہر نکل کر ذرا اس ایش کے بچے کو دست درازی کا مزا چکھا دوں لیکن سلومی کی جانب سے ابھی تک میرا دل صاف نہ ہوا تھا اور نہ ہی میں اس معمے کو سمجھ سکا تھا کہ کیوں تو سلومی نے پہلے اسے لفٹ دی اور کیوں اب وہ اس سے اجنبیت برت رہی ہے ــــــ؟ اسی اُلجھن کے باعث میں اپنے جذبات پر قابو کئے رہا ــــــ میں نے دل ہی دل میں جلدی سے فیصلہ کر لیا کہ اس وقت تک میں سارا منظر خاموشی سے کھڑا ہوا دیکھتا رہوں۔ جب تک ایش کی دست درازی حد سے نہ گزر جائے ــــــ مجھے اپنے اوپر بھروسہ تھا کہ میں جس وقت چاہے کمرے میں داخل ہو کر ایش کا سارا جوش ٹھنڈا کر سکتا ہوں کیونکہ میری اپنی طاقت کے علاوہ ایش کا پستول بھی میری جیب میں محفوظ تھا۔

لیکن سلومی کی مدد کے لئے میرے نمودار ہونے سے پہلے ہی کچھ اس قسم کے واقعات چشم زدن میں پیش آ گئے۔ جن کا میں کبھی تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔

ہوا یہ کہ ایش نے ایک مرتبہ پھر اپنے ایک ہاتھ سے سلومی کے دونوں ہاتھ

قابو میں کر کے اور ایک ہاتھ اس کی کمر کے گرد ڈال کر اسے پوری طرح اپنے قابو میں کر لیا ــــــــ اب سلوی نڈھال ہو گئی تھی مسلسل جدوجہد نے اسے تھکا ڈالا تھا ۔ اس کے چہرے پر مایوسی کے آثار ظاہر ہونے لگے تھے ــــــ پھر بھی اس نے ایک ناکام سی کوشش کرتے ہوئے ہانپتے ہوئے کہا ــــــ چھوڑ دے بدمعاش مجھے ــــــ چھوڑ دے" ــــــ اور پھر پوری قوت سے چیخ کر بولی ــــــ "ارے کوئی ہے ــــــ ؟ بچاؤ ! ــــ مجھے بچاؤ !"

ایش نے دیوانوں کی طرح ایک قہقہہ لگایا اور کہا ــــــ "اب تمہیں میرے ہاتھوں سے کوئی نہیں چھڑا سکتا" ــــــ اور اسے اپنے بازوؤں میں پوری طرح جکڑ کر اس کے رخساروں پر اپنے ہونٹ رکھ دیئے ۔

یہی وہ وقت تھا جب میں نے سوچا کہ اب معاملہ اپنی حد سے گذرنے لگا ــــــ میں نے جیب میں رکھے ہوئے پستول پر ہاتھ ڈالا ــــــ پردہ ایک طرف ہٹانے کے لئے ہاتھ بڑھایا ۔ لیکن ابھی میرا ہاتھ اٹھا ہی تھا کہ یکایک ایک عجیب واقعہ پیش آیا ــــــ جس نے میرے حواس گم کر دیئے اور مجھے ایسا محسوس ہوا جیسے میرا کھولتا ہوا خون میری رگوں میں جم کر رہ گیا ہو ــــ میں نے پردے کے سوراخ میں سے دیکھا کہ جھنجھلا کر سلوی نے اپنے دانت ایش کے شانے پر پیوست کر دیئے ــــــ اور پھر ــــ ایک چیخ ــــ ایک نہایت خوفناک چیخ سے سارا کمرہ گونج اٹھا ۔

یکا یک ایش کو نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے ایک دردناک چیخ ماری اور کٹے ہوئے درخت کی طرح "دھم" سے فرش پر گر پڑا ــــــ

میں نے دہشت انگیز نگاہوں سے سلوی کی جانب دیکھا ــــ وہ ہانپتی ہوئی بڑی خوفناک نگاہوں سے ایش کی جانب گھور رہی تھی اور اپنے بکھرے ہوئے بال

سمٹتی جا رہی تھی۔

دوسری نظر میں نے ایش پر ڈالی ـــــــ اس کے چہرے پر ایک سخت اذیت ـــــــ اور ناقابل برداشت کرب کے آثار ظاہر تھے۔ زیادہ سے زیادہ آدھا منٹ یا پون منٹ اس کی یہ حالت رہی ـــــــ آخر میں دو بار اسے ہلکی ہلکی ہچکی سی آئی ـــــــ اور پھر تیسری بار ایک سخت جھرجھری سے اس کا سارا جسم کانپ کر ساکت ہو گیا اور گردن ڈھلک کر پیچھے کو جا پڑی ـــــــ

باب ۲۱

افشائے راز

ایش کی یہ حالت دیکھ کر مجھے اپنے آپ پر قابو رکھنا مشکل ہو گیا ——— میں پردے کی اوٹ سے نکلا اور اچھل کر ایش کے سرہانے پہنچ گیا ——— میں نے دیکھا اسکے چہرے پر ہلکا نیلگوں رنگ چھانے لگا تھا ——— جھک کر میں نے اس کی نبض ٹٹولی ——— دل کی حرکت دیکھی ——— سانس کی لرزش محسوس کرنے کی کوشش کی لیکن اس وقت وہ بالکل مٹی کا ڈھیر تھا ——— صرف ایک منٹ پہلے کا جیتا جاگتا انسان اس وقت میری نگاہوں کے سامنے بے جان و مردہ پڑا تھا ———

یکایک میری نظر ایش کے اس بازو پر پڑی جہاں سلومی نے اپنے دانت پیوست کئے تھے ——— بازو پر پوری بتیسی کے نشانات بالکل واضح اور صاف تھے ——— دانت اندر گوشت میں پیوست ہو گئے تھے ——— اور اب ان زخموں سے نیلے رنگ کا پانی رس رہا تھا ——— زخم کا پورا حلقہ گہرا نیلا پڑ چکا تھا۔

اور کچھ ورم بھر آیا تھا۔

بازو پر سلومی کے دانتوں کا یہ زخم دیکھ کر میں اس طرح چونک پڑا۔ جیسے مجھے بجلی کا کرنٹ چھو گیا ہو ـــــ اور میری نگاہوں میں جنگل میں پڑی ہوئی بدنصیب فیروزہ کی لاش گھوم گئی ـــــ اُس کے بازو پر بھی بالکل ایسا ہی نشان تھا۔ اسی طرح زخم سے نیلا پانی رس رہا تھا ـــــ اسی طرح اسکا چہرہ نیلا ہو گیا تھا۔ ـــــ اور بالکل اسی طرح ایک چیخ مار کر وہ ایک منٹ سے کم عرصہ میں خاک کا ڈھیر بن گیا تھا۔

میں نے پلٹ کر دہشت اور حیرت کی ملی جلی نظروں سے سلومی کو دیکھا۔ وہ ابھی تک کھڑی ہوئی ہانپ رہی تھی۔ لیکن اب اس کی آنکھوں میں بھی خوف اور تعجب کے ملے جلے اثرات نظر آ رہے تھے ـــــ شاید یہ اس لئے تھا کہ اُسے میرے اس طرح آجانے کی توقع بالکل نہیں تھی ـــــ وہ حیران تھی کہ میں یکایک کہاں سے آ ٹپکا ـــــ دوسرے اس لئے بھی کہ آج اسکا راز فاش ہو گیا تھا۔

میں کھڑا ہو کر سلومی کی جانب مڑا۔ ہم دونوں کی نگاہیں ملیں ـــــ ایک ثانیہ کے لئے ہماری نگاہیں ایک دُوسرے میں مدغم ہو گئیں ـــــ پھر یکایک سلومی کی آواز نے میری محویت دُور کر دی۔

"اسلم!" ـــــ اُس نے بھرائی ہوئی لیکن تیز آواز میں کہا ـــــ "میں بالکل بے قصور ہوں" ـــــ اور یہ کہتے ہوئے تیزی سے دوڑ کر وہ میرے سینے سے لپٹ گئی ـــــ اور سسک سسک کر اس طرح رونے لگی۔ جیسے بچے سے انجانے پن میں کوئی قصور ہو جائے اور وہ ماں کی آغوش میں پناہ لیکر بے تحاشہ رونے لگے۔ تاکہ اس طرح ماں کے جذبۂ ترحم کو اپیل کر سکے۔

سخت حیرت نے مجھ پر سکتہ سا عالم طاری کر دیا تھا۔ میں بُت کی مانند کھڑا تھا۔ میری سمجھ میں بالکل نہیں آ رہا تھا کہ کیا کروں ــــ؟

سلومی کا رو رو کر بُرا حال ہُوا جا رہا تھا۔ لیکن میرے ذہن سے جیسے تسلی کے تمام لفظ مِٹ چکے تھے۔ میرے ہاتھ پیروں کا جیسے کسی نے ساری قوت کھینچ لی تھی ــــ میں پھٹی پھٹی آنکھوں سے کبھی سلومی کو دیکھتا تھا۔ کبھی بدنصیب ایش کی لاش کو ــــ

سلومی نے مجھے بُت کی مانند خاموش کھڑا دیکھ کر جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"اعظم! ــــ تم بولتے کیوں نہیں ــــ؟ تم اس قدر جلد خفا کیوں ہو گئے ہو ــــ؟ تم سمجھتے کیوں نہیں کہ اس میں میرا کوئی قصور نہیں ہے"!

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا سلومی! کہ یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے" ــــ؟ میں نے اسے آہستہ سے اپنے سے جُدا کرتے ہوئے کہا ــــ

"لیکن یقین کرو۔ یہ سب کچھ خود میری سمجھ میں بھی نہیں آ رہا ہے" ــــ اُس نے میرا دامن پکڑ کر کھینچتے ہوئے کہا ــــ

اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا ایک سیلاب تھا کہ اُمڈا چلا آ رہا تھا ــ اور میرے دماغ میں ایک طوفان تھا۔ جو کروٹیں لیتا ہُوا بہا جا رہا تھا۔ اس وقت مجھے اپنے سامنے کھڑی ہوئی سلومی ــــ سلومی نظر نہیں آ رہی تھی ــــ بلکہ ایک ناگن محسوس ہو رہی تھی ــــ اس کی آنکھوں کی مخصوص چمک سے مجھے محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے "سماسا" سانپ میرے سامنے پھن اٹھائے کھڑا ہو جس کے زہر کے مقابلے میں تمام دُنیا کے زہریلے جانور حقیر ہیں ــــ جس کی ہلاکت خیزی کا ایک تماشہ میں کچھ ماہ پیشتر اس جنگل میں دیکھ چکا تھا۔ اور دُوسرا آج ایش کی بےجان لاش کی صُورت میں میرے سامنے پڑا تھا ــــ اب میری سمجھ میں کچھ کچھ آنے

لگا تھا۔ کہ اس روز سلومی کے ہونٹوں کو چوم کر میں کیوں بے ہوش ہوگیا تھا۔؟ کیوں صرف ایک بوسہ دے کر میرے خون میں زہریلے اثرات پیدا ہو گئے تھے، اور کیوں سلومی پر کسی زہریلے سے زہریلے سانپ کے کاٹنے کا اثر نہیں ہوتا تھا۔

اب میرے ذہن پر سے لاعلمی کے پردے اٹھتے جا رہے تھے ـــــ اب مجھے یقین ہوتا جا رہا تھا کہ سلومی بذات خود اس قدر زہریلی تھی کہ کسی کو ہلاک کرنے کے لئے ڈاکٹر زبیر کو اسکے ہونٹوں پر زہر کی آمیزش کرنے کی ضرورت بالکل نہیں اب مجھے پتہ چلا کہ سلومی کی آنکھوں میں "سمارا" جیسے خوفناک سانپ کی آنکھوں سے مشابہ چمک کیوں تھی ـــــ؟ اب مجھے خبر ہوئی کہ سلومی کے انگ انگ میں زہر رچا ہوا تھا ـــــ وہ اس قدر زہریلی تھی کہ "سمارا" سانپ کی طرح جس کا کاٹا ایک منٹ سے کم کے عرصے میں اسے ہلاک کر ڈالے جسکے دو ثبوت میں دیکھ چکا ـــــ بلکہ کاٹنا تو درکنار، جو شخص اسے آٹھ دس مرتبہ پیار بھی کر لے وہ بھی موت کی آغوش میں پہنچ جائے۔

لیکن ایک عورت میں یہ تاثیر کیسے پیدا ہو گئی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی تھی ـــــ کیا "سمارا" سانپ کی روح سلومی کے جسم میں تحلیل ہو گئی ہے؟ یا ڈاکٹر زبیر نے ہی اس خوفناک سانپ کو کسی جادو کے ذریعے ایک حسین لڑکی کے روپ میں ڈھال دیا ہے ـــــ؟

لیکن اس ماڈرن دور میں اس قسم کے واقعات پر یقین کرنے کو جی نہیں چاہتا تھا ـــــ میں حیران و پریشان دیوانوں کی طرح کھڑا ہوا سلومی کو گھورے جا رہا تھا ـــــ اور میرے ذہن میں خیالات کے بگولے سے چکر کاٹتے پھر رہے تھے۔ سلومی بھی اپنے آنسوؤں پر کچھ کچھ قابو پا چکی تھی۔

کافی دیر ہم دونوں یونہی ایک دوسرے کے سامنے خاموش کھڑے رہے۔ پھر

جب سلومی نے دیکھا کہ میری خاموشی کسی طرح ٹوٹتی ہی نہیں۔ تو اس نے میرے شانے کو ہلاتے ہوئے کہا ــــــ

"اسلم! ــــ تمہیں کیا ہوگیا ہے؟ تم اس طرح پھٹی پھٹی نظروں سے مجھے کیوں گھورے جا رہے ہو"ــــ؟

اور میں سلومی کا ہاتھ اپنے جسم سے مس ہوتے ہی اس طرح چونک پڑا جیسے سمارا نے مجھے ڈس لیا ہو۔ لاشعوری طور پر میں اس کا ہاتھ جھٹک کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا ــــــ

"نہیں نہیں سلومی! تم مجھے ہاتھ مت لگاؤ ــــــ تم اس قدر خوفناک اور اتنی زہریلی ہو۔ یہ مجھے خواب میں بھی علم نہ تھا"

"لیکن اس میں میرا کوئی قصور نہیں" ــــــ سلومی ایک مرتبہ پھر دونوں ہاتھوں سے منہ چھپا کر بے تحاشہ رونے لگی۔ اور روتے روتے میرے پیروں پر گر پڑی اور کہنے لگی ــــــ

"تم یقین کرو اسلم! ــــ مجھے بھی آج ہی پتہ چلا ہے کہ میں اس قدر خوفناک ہوں ــــ اس سے پہلے فیروز کی موت بھی میرے ہاتھوں اسی طرح پیش آئی تھی۔ وہ مجھے جنگل میں تنہا پا کر دست اندازی کرنے لگا۔ میرا جب کوئی اور بس نہ چلا۔ تو میں نے اس کے شانے میں کاٹ لیا۔ اور وہ اسی طرح چیخ مار کر گر پڑا۔ میں سمجھی کہ وہ کاٹنے کے صدمے سے بے ہوش ہوگیا ہے۔ اس لئے میں اُسے وہیں چھوڑ کر اپنے کمرے میں بھاگ آئی ــــ لیکن جب بہت دیر تک وہ نہ آیا۔ تو مجھے فکر ہوئی۔ کیونکہ وہ پاپا کا مالدار دوست تھا اور وقت بے وقت روپے سے ان کی مدد کیا کرتا تھا ــــــ اس کے بعد رات کو آپ لوگ آگئے ــــ تم نے بتایا کہ جنگل میں ایک لاش پڑی ہے تو میرے اوسان خطا ہوگئے اور جب

تم نے مرنے والے کی تمام نشانیاں بتائیں اور خاص طور پر دانتوں کے زہریلے نشان کا ذکر کیا۔ تو پاپا اور میں دونوں سمجھ گئے کہ وہ بدنصیب فیروز ہے۔ اور اس کی موت کس طرح واقع ہوئی ہے؟ لیکن مجھے اسکی موت سے زیادہ اس بات پر حیرانی تھی کہ وہ میرے کاٹنے پر مرکس طرح گیا ——— ؟ کیا میں اتنی زہریلی ہوں۔

——— ؟ بعد میں جب میں نے رات کو پاپا سے اس بات کا ذکر کیا۔ تو انہوں نے یہ کہہ کر مجھے ٹال دیا کہ اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں۔ آدمی میں بھی زہر ہوتا ہے۔ اور جس انسان میں اس کی مقدار بڑھ جاتی ہے وہ اگر کسی دوسرے آدمی کو کاٹ لے تو وہ آدمی فوراً یا کچھ دیر میں اس زہر سے ہلاک ہو سکتا ہے "

سلومی میرے ساتھ دوزانو بیٹھی ہوئی آنسوؤں اور سسکیوں کے درمیان اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ اور میں حیرت سے اس کے منہ کو تکے جا رہا تھا۔ اس نے اپنا سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا ———

"چونکہ پاپا نے بتایا تھا کہ یہ عام چیز ہے ——— ہر آدمی میں زہر ہوتا ہے ——— اور مجھے اپنے پاپا، مردان، آپ یا اور دو چار آدمیوں کے علاوہ کبھی کسی سے ملنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ شہر میں بھی میں بہت کم جاتی ہوں اور جاتی ہوں تو فوراً آجاتی ہوں۔ اس لئے میں عام آدمیوں کے خواص یا برائیوں سے بالکل ناواقف ہوں ——— میں نے پاپا کی بات پر اعتبار کر لیا۔ لیکن پھر بھی میرا دل کہہ رہا تھا کہ یہ ضرور کوئی غیر معمولی بات ہے۔ کیونکہ اگر یہ حیرت کی بات نہ ہوتی۔ تو آپ لوگ فیروز کے انتقال پر اور دانتوں کے نشانات پر حیرت کا اس قدر اظہار نہ کرتے۔ پھر میں نے یہ سوچ کر کہ تم مجھ سے بدظن نہ ہو جاؤ اس بات کا خیال تک دل سے نکال دیا اور اپنے آپ کو سمجھا لیا کہ وہم کرنے کی کیا ضرورت ہے جو ہونا تھا ہو گیا ——— -

"اب تم ہی بتاؤ اسلم! ——— اس میں میرا کیا قصور ہے ——— یقین کرو۔ میرے دل میں تمہاری محبت اسی طرح جلوہ گر ہے ——— میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی ——— تم کہو گے کہ تمہارے فرضی ملازم سبحان یا سراغرساں ایشن سے میرے تعلقات کیسے ہو گئے۔ تو اس کے متعلق یہ ہے۔ کہ جس روز سبحان تمہارا خط لے کر آیا تھا۔ اسی روز اتفاق سے پاپا نے اُسے دیکھ لیا۔ چونکہ کلکتہ جاتے رہتے ہیں اور وہاں کے بہت سے لوگوں سے واقف ہیں۔ اس لئے انہوں نے گھبرا کر مجھ سے کہا کہ جس آدمی سے تم اسلم کا ملازم سمجھ کر ملی ہو۔ وہ دراصل کلکتہ کا مشہور جاسوس ایشن ہے ——— تم اس سے تعلقات بڑھا لو۔ اُسے اپنے گھر لے آیا کرو۔ کوئی ہرج نہیں ہے کبھی کبھی اس کے ساتھ گھومنے بھی جا سکتی ہو۔ میری جانب سے اجازت ہے کوشش کرنا کہ اس عرصہ میں وہ تم سے ناراض نہ ہو ورنہ وہ ہمیں سخت نقصان پہنچا سکتا ہے ——— چنانچہ میں نے پاپا کی ہدایت کے بموجب اس سے تعلقات بڑھا لئے۔ اس کی ہر جا و بے جا بات پاپا کی خاطر برداشت کرتی رہی۔ اس کے ساتھ شہر جاتی رہی ——— کبھی کبھی پاپا مجھے وہاں خود چھوڑ آتے تھے ایک موٹر ورکشاپ میں وہ آ کر مل جاتا تھا ——— وہیں سے ہم موٹر میں بیٹھ کے یہاں آ جاتے تھے۔

لیکن آج جب اس نے شرافت کے دائرے سے گزر کر دست درازی شروع کر دی اور مجھے اپنی گرفت میں لے کر بے دست و پا کر دیا تو میں نے اپنا پیچھا چھڑانے کے لئے لاشعوری طور پر اس کے بازو میں کاٹ لیا جس کا نتیجہ تمہارے اور میرے سامنے ہے ——— ان حالات میں اگر تم بھی مجھے قصوروار سمجھتے ہو۔ تو اپنے ہاتھوں سے مجھے سزا دے لو! ———"

اپنی بات ختم کرنے کے بعد وہ کھڑی ہو گئی ـــــ اور آگے بڑھ کر اپنا سر میرے کاندھے پر رکھ دیا اور مجھ سے چمٹ کر بے تحاشہ رونے لگی ـــــ سلومی مجھ سے چمٹی کھڑی تھی اور مجھے خوف کے مارے پھریریاں پر پھریریاں آرہی تھیں ـــــ فیروز اور ابیش کی خوفناک موت میری نگاہوں کے سامنے گھوم رہی تھی۔ لیکن اس میں شک نہیں کہ سلومی کا بیان بھی بالکل سچ تھا ـــــ وہ بالکل بے قصور تھی۔ میں عجیب کشمکش میں مبتلا تھا۔ ادھر سلومی کا معصوم چہرہ اور ملتجیانہ نگاہیں مجھے دعوت دے رہی تھیں کہ میں اس بات کو نظر انداز کر کے اسے اپنی آغوش میں کھینچ لوں۔ ادھر اس کا زہریلا پن میری رگوں میں خون تک جمائے دے رہا تھا۔ اب یہ بات تو بالکل تصدیق ہو گئی تھی کہ سلومی عام لڑکیوں کی طرح نہیں ہے بلکہ اس میں کسی وجہ سے ایک نہایت مہلک قسم کا زہریلا پن ہے۔ اسی وجہ سے اس کے کاٹنے پر ان دو انسانوں کی موتیں واقع ہوئیں ـــــ اسی وجہ سے سلومی پر کسی زہریلے سے زہریلے سانپ کے کاٹنے کا اثر نہیں ہوتا ـــــ اور اسی وجہ سے اس روز جب میں نے اس کے ہونٹوں کو ایک طویل بوسہ دیا تھا تو میں بے ہوش ہو گیا تھا ـــــ کیونکہ بوسہ کے ذریعے اس کے سم آلود ہونٹوں کا تمام زہر میرے جسم میں داخل ہو گیا تھا جو کسی انسان کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لئے نفی کے برابر تھا ـــــ لیکن زہر اس قدر خطرناک تھا کہ اس نے اپنا اثر ضرور دکھایا ـــــ اب مجھے یقین آگیا تھا کہ اس روز میری بیہوشی میں سلومی کی بدنیتی یا فریب کو دخل نہیں تھا۔ بلکہ وہ اپنی زہریلی خاصیت سے مجبور تھی۔ اگر اس وقت بھی کوئی اس کے ہونٹوں کو چومے تو یقیناً اس کا وہی حشر ہوگا۔ جو میرا ہوا تھا ـــــ لیکن سلومی میں زہر کی اتنی بڑی خاصیت کیسے پیدا ہوئی؟ یہ بات میری سمجھ میں نہ آسکی۔

سلومی ابھی تک میرے کاندھے سے لگی ہوئی سسک رہی تھی ــــ آخر خوف و دہشت پر میری محبت غالب آگئی۔ اور میں نے اپنا بازو اسکی کمر کے گرد ڈال کر اُسے اپنے سینے سے لگا کر بھینچ لیا ــــ اور اسکی پیشانی پر اپنے ہونٹ چپکا دئے ــــ سلومی کے چہرے پر ایک معصوم مسکراہٹ کھیل گئی۔ اس نے اپنے دونوں ہاتھ میرے شانوں پر رکھ لئے اور وفور کیف سے آنکھیں بند کرلیں۔

ہم نہ جانے کتنی دیر تک اسی طرح کھڑے رہتے کہ باہر سے آتی ہوئی کچھ عجیب سی آوازوں نے ہمیں چونکا دیا ــــ ہم دونوں ایک دوسرے کو حیرت کی نظر سے دیکھنے لگے ــــ یکایک ہمیں ایسا محسوس ہوا جیسے باہر کوئی زبردست ہنگامہ ہوگیا ہو ــــ بہت سے آدمیوں کی ملی جلی آوازیں ــــ لوگوں کے ادھر اُدھر دوڑنے کا شور کمروں کے دروازے زور سے کھلنے اور بند ہونے کا غل ــــ ہم نے ایک دوسرے سے نظروں ہی نظروں میں سوال کیا ــــ کہ آخر کیا معاملہ ہے ــــ ؟ لیکن ہم دونوں بالکل لاعلم تھے ــــ سب سے زیادہ حیرت اس بات کی تھی کہ اس مکان میں گنتی کے صرف تین چار آدمی رہتے تھے۔ اتنے بہت سارے آدمی کہاں سے آگئے۔ اور ان میں کیا جھگڑا ہوگیا ؟

"میں باہر دیکھ کر آتا ہوں" ــــ میں نے سلومی کے کندھے کو تھپتھپایا اور باہر جانے کے لئے دروازے کی سمت ایک قدم بڑھایا ہی تھا کہ کسی کی سخت ٹھوکر سے دروازہ ایک پُر شور آواز کے ساتھ کھلا ــــ اور میرے قدم جہاں تھے وہیں رُک گئے ــــ دروازے کے شور کے ساتھ ہی ڈاکٹر زبیری کی گرجدار آواز ہمارے کانوں میں پڑی ــــ ایک سیکنڈ کے بعد ہی ڈاکٹر زبیر ہمارے سامنے تھا۔ لیکن کس حالت ــــ ؟ یہ دیکھ کر ہی میرے رونگٹے کھڑے ہو گئے ــــ پستول اُن کے ہاتھ میں تھا ــــ سر کے بال بکھرے ہوئے

لباس بے ترتیب اور سانس اس طرح چل رہا تھا جیسے ابھی دوڑ لگا کر آ رہا ہو۔
کمرے میں داخل ہو کر اس نے حیرت سے مجھے دیکھا ــــ پھر ایشی کی لاش کو ــــ اس کے بعد چاروں طرف ایک طائرانہ نظر ڈالتے ہوئے میرے چہرے پر نظریں جما دیں ــــ اور چیختے ہوئے کہا ــــ

"اچھا تو یہ مصیبت آپ کی لائی ہوئی ہے" ــــ؟

ڈاکٹر زبیر کے اس فقرے پر ابھی حیرت اور خوف کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ رہی تھی کہ اس کی آواز پھر سنائی دی ــــ "لیکن مجھے گرفتار کرانے سے پہلے تم بھی زندہ نہیں رہ سکتے" ــــ اس کے بعد جو کچھ ہونا تھا وہ ایک لمحہ میں ہو گیا ــــ

ڈاکٹر زبیر کے اس آخری جملہ کے بعد مجھے صرف اتنا یاد ہے کہ ان کا پستول والا ہاتھ اٹھا ــــ اور پستول کی فولادی نال سے ایک سرخ شعلہ سا نکل کر میرے سینے کی جانب لپکا ــــ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ میرے ذہن میں اپنی موت کا خیال آیا اور گزر گیا ــــ لیکن پستول کے دھماکے کے ساتھ ہی ایک تیز چیخ سے سارا کمرہ گونج اٹھا ــــ مجھے صرف اتنا نظر آیا کہ سلومی اپنی جگہ سے بجلی کی طرح تڑپی ــــ میرے سینے سے چمٹی اور چیخ مار کر میرے قدموں پر گر پڑی۔

میرا ذہن تیزی سے چکرا گیا۔

"چلو! تم سے بھی چھٹکارا ہوا" ــــ ڈاکٹر زبیر کے تیز الفاظ میری سماعت سے ٹکرائے ــــ اور دوبارہ پھر ایک دھماکہ ہوا ــــ اور ایک تیز گرم سلاخ سی مجھے اپنے داہنے شانے میں گھستی ہوئی محسوس ہوئی ــــ میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی ــــ اور میں بے قابو ہو کر سلومی کے برابر گر پڑا۔

لیکن گرتے گرتے ہم نے دیکھا ـــــــ کہ ایک اور دھماکہ ہُوا۔ اور میرے ساتھ ہی چیخ مار کر ڈاکٹر زبیر بھی اپنی جگہ ڈھیر ہو گیا ـــــــ

اس کے بعد مجھے یاد نہیں کہ کیا ہُوا ـــــــ؟ غالباً میں بے ہوش ہو گیا تھا ـــــــ

باب ۲۲

انجام

میں نے آنکھ کھولی۔ تو دیکھا کہ ایک آرام دِہ اور اُجلے بستر پر پڑا ہُوا ہُوں ــــــ کمرہ بھی کچھ غیر مانوس تھا ــــــ میں نے اپنے دماغ پر زور ڈال کر سوچنا شروع کیا کہ میں یہاں کیسے آگیا ــــــ؟ رفتہ رفتہ مجھے گذرا ہُوا پُورا حادثہ یاد آنے لگا ــــــ ایشں ــــــ سلومی ــــــ ڈاکٹر زبیر ــــــ پھر گولیوں کے دھماکے ــــــ سلومی کی چیخ ــــــ اپنی تکلیف اور آخر میں ڈاکٹر زبیر کی خوفناک چیخ ــــــ سب کچھ یاد آگیا ــــــ یکایک مجھے خیال آیا کہ ڈاکٹر زبیر کے پستول کی ایک گولی میرے لگی تھی۔ کہیں میں مر تو نہیں چکا ہُوں ــــــ؟

"میں کہاں ہُوں" ــــــ؟ میں نے گھبرا کر چیختے ہوئے کہا ــــــ اور اٹھنے کی کوشش کی ــــــ لیکن دو نرم ہاتھوں نے مجھے شانوں سے پکڑ کر پھر بستر پر لٹا دیا ــــــ اور کسی نے نہایت شیریں لہجہ میں کہا۔

"لیٹے رہیئے ـــــ اٹھنے کی بالکل کوشش نہ کیجئے" ـــــ میں نے نظریں اُٹھا کر دیکھا تو نرس تھی۔

"میں کہاں ہُوں" ـــــ میں نے اس سے پھر اپنا سوال دُہرایا۔

"آپ ہسپتال میں ہیں" ـــــ اُس نے مسکرا کر جواب دیا ـــــ "آپکے دوست محمُود صاحب اور ڈاکٹر گھوش ابھی آنے والے ہیں۔ انکی ہدایت ہے کہ میں آپ کو اُٹھنے نہ دُوں۔ کیونکہ آپ کے شانے میں گولی لگی تھی ـــــ اور اس کا اپریشن کیا جا چکا ہے"۔

"شکریہ" ـــــ میں نے آہستہ سے کہا۔ اور خاموشی سے لیٹ گیا ـــــ کچھ دیر کے بعد ہی محمود اور ڈاکٹر گھوش آ گئے ـــــ محمُود نے مجھے ہوش میں دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"ایسی خطرناک مہموں پر جایا کرو۔ تو کم از کم ایک دن پہلے تو نوٹس دے دیا کرو ـــــ تاکہ خاطر خواہ اِنتظام کر لیا جایا کرے"۔

"لیکن میں یہاں آیا کیسے" ـــــ میں نے اس کی بات نظر انداز کر کے سوال کیا ـــــ

"میں اور ڈاکٹر گھوش لائے تھے" ـــــ اُس نے جواب دیا۔

"اور سلومی کہاں ہے" ـــــ ؟

"دُوسرے کمرے میں ہے ـــــ تم ذرا اچھے ہو جاؤ تو اُس سے مل لینا" ـــــ ڈاکٹر گھوش نے جواب دیا۔

"اور ڈاکٹر زبیر کا کیا ہُوا" ـــــ میں نے ایک اور سوال کیا ـــــ

"گھبرا کیوں رہے ہو۔ آہستہ آہستہ تمام باتوں کا علم ہو جائیگا"۔ ـــــ محمُود نے میرے قریب بیٹھتے ہوئے جواب دیا ـــــ "ذرا سکون سے بیٹھنے دو

تو ساری باتیں بتاتا ہوں۔"

میں خاموش ہو گیا ـــــ ڈاکٹر گھوش نے میری نبض دیکھی ـــــ دوا کی ایک خوراک اپنے ہاتھ سے مجھے پلائی اور کچھ دوسرے مریضوں کو دیکھنے چلے گئے ـــــ لیکن جاتے جاتے مجھ سے کہہ گئے کہ زیادہ باتیں نہ کروں اور نہ ہی اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کروں۔

ان کے چلے جانے کے بعد میرے بار بار اصرار کرنے پر محمود نے اپنی داستان شروع کی ـــــ

"جب میں گھر آیا" ـــــ اس نے کسی داستان گو کی طرح قصہ کو شروع کرتے ہوئے کہا ـــــ "تو میز پر تمہارا رقعہ ملا ـــــ تمہارا خط پا کر میں دو منٹ تک حیرت کے عالم میں کھڑا رہا۔ کہ آخر یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے۔ اور آئندہ کیا ہو گا ـــــ؟ لیکن میری سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ اب مجھے کیا کرنا چاہیئے ـــــ یکایک مجھے ڈاکٹر گھوش کا خیال آیا۔ اور میں وہ تمہارا خط لے کر فوراً ڈاکٹر گھوش کے پاس پہنچا۔ اور انہیں وہ رقعہ دکھا کر تمام حالات بتا دیئے ڈاکٹر گھوش کے مشورے سے ہم دونوں کار میں بیٹھ کر پولیس اسٹیشن پہنچے اور پولیس انسپکٹر کو مختصراً دو چار لفظوں میں ساری بات سنائی۔ اور تمہارا خط دکھا دیا۔ انسپکٹر چونکہ سراغرساں ایش کی آمد سے باخبر تھا۔ اس لئے فوراً ہی دس سپاہیوں کو ساتھ لے کر وہ جیپ میں بیٹھ کر ہمارے ساتھ چل پڑا ـــــ

راستہ ہم نے اندھا دھند طے کیا ـــــ اور غالباً پچاس منٹ میں ہم منزل مقصود پر پہنچ گئے ـــــ وہاں تمہاری اور ایش کی کار کھڑی تھی۔ ہم جلدی سے اترے۔ میں نے ان سب کی رہنمائی کی۔ اور خفیہ دروازے سے ہو کر ڈاکٹر زبیر کے مکان پر پہنچ گئے ـــــ پولیس نے پورے مکان کا محاصرہ کر لیا۔

ڈاکٹر گھوش ـــــ انسپکٹر اور میں ـــــ ہم تینوں پستول ہاتھوں میں لئے ڈاکٹر زبیر کی لیبارٹری میں گھس گئے ـــــ لیکن وہ وہاں نہیں تھا ـــــ صرف مردان وہاں کھڑا ہُوا کچھ کر رہا تھا ـــــ انسپکٹر نے مردان کو پکڑ کر ایک سپاہی کے حوالے کر دیا ـــــ اس کے بعد ہم نے تمام کمروں کی تلاشی لینی شروع کی ـــــ ڈاکٹر زبیر اپنے سونے کے کمرے میں موجود تھا ـــــ لیکن اس نے خطرہ کی بو پاکر اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر لیا ـــــ

پولیس انسپکٹر نے شیشہ توڑ کر اندر دیکھا تو پتہ چلا کہ کمرہ خالی ہے اور ڈاکٹر زبیر کھڑکی سے کود کر باہر نکل گیا ہے ـــــ لیکن چونکہ باہر مسلح سپاہی مکان کو گھیرے میں لئے ہوئے تھے۔ اس لئے ہمیں اس کے فرار کی جانب سے کوئی اندیشہ نہیں تھا ـــــ ہمیں تو تلاش صرف تمہاری تھی۔ چنانچہ میں فوراً سلومی کے کمرے کی جانب لپکا۔ لیکن دو قدم ہی چلا تھا کہ گولی چلنے کا ایک دھماکہ سنائی دیا ـــــ گولی کی آواز سنتے ہی میرے ذہن میں نہ جانے کیوں یہ خیال آیا کہ تم خطرے میں ہو ـــــ اور میں تیزی سے بھاگ کھڑا ہُوا۔

اور جس وقت ڈاکٹر زبیر نے دوسری گولی چلائی۔ تو میں اس سے تقریباً بیس فٹ کے فاصلے پر تھا ـــــ میں نے اسے دروازے کے پاس کھڑے ہوئے دیکھ لیا ـــــ اور فوراً ہی اس پر گولی چلا دی ـــــ میری گولی ڈاکٹر زبیر کی کمر کو چیرتی ہوئی سینے کے پار ہو گئی ـــــ اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ لیکن کم بخت اتنا سخت جان تھا کہ گولی لگنے کے چھ گھنٹے بعد مرا ـــــ

اس کے بعد میں تیزی سے کمرے میں داخل ہُوا۔ تو عجیب منظر تھا ـــــ ایک جانب ایش کی لاش پڑی تھی ـــــ سامنے تم اور سلومی پڑے ہوئے تھے۔ ـــــ خون کی ایک پتلی سی دھار تمہارے پاس سے بہہ کر کمرے کے وسط تک

پہنچ گئی تھی ـــــ تمہیں اس طرح پڑے دیکھ کر ایک لمحے کے لئے مجھے خیال ہُوا کہ شاید آج میں تم سے ہاتھ دھو بیٹھا ـــــ لیکن جب میں نے بڑھ کر تمہاری نبض دیکھی ـــــ اور زخم دیکھا تو پتہ چلا کہ میرا خیال غلط تھا ـــــ ڈاکٹر زبیر کا نشانہ چوک گیا تھا۔ اور گولی تمہارے سینے کے بجائے شانے میں لگی تھی ـــــ۔

سُراغرساں ایش کی لاش دیکھ کر ہم سب کو سخت حیرت ہوئی ـــــ فوراً ہی ہم تمہیں اٹھا کر ہسپتال لے آئے ـــــ ڈاکٹر زبیر کو طاقت کے انجکشن دیئے گئے ـــــ تمہارا اپریشن کر کے گولی نکالی گئی ـــــ اور اب ٹھیک اٹھارہ گھنٹے کے بعد تم ہوش میں آئے ہو ـــــ

"تو گویا یہ تمام واقعات کل گذر رہے تھے" ـــــ میں نے حیرت سے سوال کیا۔

"ہاں" ـــــ محمود نے جواب دیا ـــــ "کل چار بجے ہم تمہیں ہسپتال لے کر پہنچ گئے تھے۔"

"کیا ڈاکٹر زبیر زندہ ہے" ـــــ میں نے سوال کیا۔

"نہیں! ـــــ وہ مر گیا ہے"

"مر گیا" ـــــ میں نے بے تابی سے پوچھا ـــــ "بغیر کوئی بات کہے" ـــــ

"نہیں" ـــــ محمود نے جواب دیا ـــــ "مرنے سے پہلے وہ ایک بیان کے ذریعے پورے راز کا انکشاف کر گیا ہے"

"کیا بیان دیا ہے اُس نے" ـــــ میں نے پُر اشتیاق لہجے میں سوال

"اُس نے مرنے سے کچھ دیر پہلے کہا ــــــ
کہ اب جب کہ میں مر رہا ہوں ــــــ میں کوئی راز چھپا کر رکھنا نہیں چاہتا۔
ــــــ میں تسلیم کرتا ہوں کہ میں کلکتہ والا ڈاکٹر شیرازی ہُوں ــــــ میں نے اپنی بیوی اور اس کے چاہنے والے کو زہر دے کر ہلاک کر دیا تھا ــــــ اور اپنی بچی کو لے کر کلکتہ سے روپوش ہو گیا تھا"

"لیکن اس نے اپنی بیوی کو زہر کس طرح دیا تھا" ــــــ ؟ میں نے محمود کی بات کاٹتے ہوئے سوال کیا۔

"ہونٹوں پر لگا کر" ــــــ محمود نے کہا ــــ "اس نے بتایا کہ ــــــ وہ روزانہ رات کو اپنی بیوی کے ہونٹوں پر ایک نہایت مہلک زہر لگا دیتا تھا ــــــ اور خود احتیاطاً اس کے ہونٹوں کو کبھی نہیں چومتا تھا ــــــ چونکہ یہ عمل کئی مہینوں سے جاری تھا ــــــ اِس لئے زہر رفتہ رفتہ اپنا اثر کرتا رہا" ــــــ

ڈاکٹر زبیر نے بتایا کہ حادثہ کی رات غلطی سے اُس نے زیادہ مقدار میں زہر لگا دیا ــــــ جس کے باعث وہ دونوں ایک رات ہی میں ہلاک ہو گئے۔

ڈاکٹر زبیر اپنی بیوی کے مرنے سے پہلے ہی اپنے فرار کی تیاریوں میں مصروف تھا ــــــ اُسے کسی طرح پتہ چل گیا تھا کہ اُس جنگل میں پُرانے زمانے کے کسی راجہ نے ایک مکان خاص طور پر بنوایا تھا ــــــ چنانچہ اس نے اس جگہ کو اپنے لئے پسند کیا ــــــ اور بیوی کے مرنے کے بعد اپنی لڑکی اور ملازم مردان کو لے کر یہاں آ کر آباد ہو گیا ــــــ

"لیکن جب وہ اس لڑکی کو اپنی لڑکی نہیں سمجھتا تھا۔ تو اُسے ساتھ کیوں لایا" ــــــ ؟ میں نے سوال کیا۔

"اپنی بیوی کا انتقام لینے کے لئے ——— اور اپنا ایک تجربہ مکمل کرنے کے لئے" ——— محمود نے جواب دیا۔

"کیا مطلب" ——— میں نے حیرت سے پوچھا۔

مطلب یہ کہ ڈاکٹر زبیر بڑا کینہ در شخص تھا ——— اس نے اپنی بیوی کا انتقام اس کی لڑکی سے لینے کا فیصلہ کر لیا ——— کلکتہ سے اس جگہ آکر اس نے اس لڑکی یعنی سلومی کی پرورش ایک بالکل انوکھے طریقے پر کی ——— اس نے سنا تھا کہ اگر انسان بچپن سے نمک بالکل استعمال نہ کرے تو اس میں زہر پیدا ہو جاتا ہے ——— اور وہ کسی زہریلے سانپ سے بھی زیادہ خطرناک ہو جاتا ہے ——— چنانچہ اس نے سلومی کو شروع ہی سے نمک اور دوسری ایسی چیزوں سے دور رکھا۔ جو زہریلے مادے ختم کرتی ہیں۔ بلکہ اسی پر اکتفا نہ کر کے اس نے اسے ہلکی ہلکی مقدار میں ایک نہایت مہلک سانپ سمارا کا زہر کھلانا شروع کر دیا ——— بچی چونکہ ذرا بڑی ہو گئی تھی اور اس کے اندر زہریلا مادہ پیدا ہو چکا تھا ——— اس لئے سمارا سانپ کا زہر اسے ہضم ہونے لگا ——— آہستہ آہستہ ڈاکٹر زبیر زہر کی مقدار بڑھاتا گیا اور سلومی میں زہر کی تعداد بڑھتی گئی ——— حتےٰ کہ جب وہ سن بلوغ کو پہنچی تو اس میں مکمل طور پر سمارا سانپ کی خاصیتیں آ چکی تھیں۔ اور وہ اسی قدر ہلاکت خیز اور زہریلی بن چکی تھی۔

سلومی کی پرورش اس خوفناک اور انوکھے طریقے پر کرنے سے ڈاکٹر زبیر کے دو مقصد تھے۔ اوّل یہ کہ وہ ایک عجیب و غریب تجربہ کرنا چاہتا تھا۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ آیا انسان بھی کسی طرح زہریلا ہو سکتا ہے یا نہیں ——— دوسرے یہ کہ وہ سلومی سے اس کی ماں کا بدلہ چکانا چاہتا تھا ——— اس کی

اسکیم یہ تھی۔ کہ زہریلی ہو جانے کے بعد سلوی جس مرد سے محبت کرے گی وہ موت کے گھاٹ اتر جائے گا۔۔ سلوی جنس کے معاملہ میں ہمیشہ ناکام ثابت رہے گی۔ جس طرح اس کی ماں نے بے وفائی کر کے ڈاکٹر زبیر کو ناشاد و نامراد بنا دیا تھا۔ اسی طرح وہ اس لڑکی کو ہمیشہ تشنہ کام رکھنا چاہتا تھا اور اس کی تڑپ دبے کلی سے لطف اٹھانا چاہتا تھا۔ کیونکہ وہ اس کی بے وفا بیوی اور اس کے رقیب کے گناہوں کی نشانی تھی۔ ڈاکٹر زبیر کے خیال میں یہ ایک انوکھا اور بڑا دلچسپ انتقام تھا ——— اور واقعتاً اس نے اپنی مرضی کے موافق اپنا انتقام پورا کیا ——— اس نے اپنے دل کے زخموں پر پھاہے رکھنے کے لئے اس معصوم بچی کی زندگی تباہ کر دی ——— اس نے ایک گناہ ہگار عورت کا بدلہ ایک بے گناہ اور معصوم لڑکی سے لیا۔

یہ تھا وہ پورا بیان جو ڈاکٹر زبیر نے مرتے وقت پولیس میں لکھوایا ——— اس نے مرتے وقت کہا تھا کہ اب مجھے اپنے مرنے کا کوئی غم نہیں میری زندگی کی دونوں آرزوئیں پوری ہو چکی ہیں ——— میرا تجربہ بھی کامیاب ہو چکا ہے اور انتقام بھی ——— اب میں بڑے اطمینان کے ساتھ مر رہا ہوں۔

ڈاکٹر زبیر کے انتقامی جذبہ کا حال سن کر مجھے ایک پھریری سی آ گئی۔ اور میری نگاہوں میں سلوی کا معصوم چہرہ گھوم گیا ——— جو بغیر کسی جرم کے ایک مرد سفاک کے انتقام کا نشانہ بن گئی تھی۔

"کتنا بڑا ظلم ہوا ہے سلوی کے ساتھ" ——— میں نے محمود سے کہا۔

"دنیا کی تاریخ میں شاید اس سے بڑا کوئی ظلم نہ ہوا ہو" ——— محمود نے جواب دیتے ہوئے کہا ——— "اچھا اب تم آرام کرو ——— زیادہ باتیں کرنے کے لئے ڈاکٹر گھوش نے انکار کر دیا ہے" ———

"لیکن محمود! سلومی"——؟ میں نے اسکی جانب ملتجیانہ نگاہوں سے دیکھا——

"کیا ایسی زہریلی لڑکی سے ملنے کی تمنّا ابھی تمہارے دل میں باقی ہے"؟

"یقیناً——میں اُسے زندگی بھر نہیں بھول سکتا"

"اچھا تو جلدی سے صحت یاب ہو جاؤ——پھر اس سے مل لینا——وہ بھی چونکہ زخمی ہو گئی تھی۔ اس لئے دوسرے کمرے میں زیر علاج ہے"——

"ہاں——! یہ تو مجھے بھی یاد ہے"——میں نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا——"پہلی گولی جس وقت ڈاکٹر زبیر نے چلائی تھی وہ ہمارے درمیان آگئی تھی——اور خود زخمی ہو کر اس نے میری زندگی بچالی تھی——لیکن اس کے گولی کس جگہ لگی تھی——؟ زیادہ خطرناک حالت تو نہیں ہے"؟

"گولی اس کے سینے کے پار ہو گئی ہے"——محمود نے جواب دیا۔

"سینے کے پار ہو گئی ہے"——؟ میں نے خوف زدہ ہو کر تقریباً چیخ کر کہا۔

"ہاں"——! محمود نے جواب دیا——"لیکن گھبرانے کی ضرورت نہیں——امید کی جا رہی ہے کہ شاید وہ بچ جائے——ویسے جب سے ہم اسے اٹھا کر لائے ہیں وہ بے ہوش پڑی ہے——تم اطمینان رکھو۔ اور دل کو پریشان نہ کرو"——!

"محمود"——! میں نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر خوشامدانہ انداز میں کہا——"میں ایک بار سلومی کو دیکھنا چاہتا ہوں——خدا کے لئے میری یہ آرزو پوری کر دو"——

"لیکن اُسے ہوش تو آنے دو ــــــ اس وقت مِل لینا ــــــ اتنے میں تمہارا زخم بھی کچھ بہتر ہو جائے گا ــــــ اور پھر جب تک ڈاکٹر گھوش اجازت نہ دیں میں کچھ نہیں کر سکتا ــــــ اب تم خاموشی سے سو جاؤ۔ ورنہ ڈاکٹر گھوش مجھے ڈانٹیں گے"

یہ کہہ کر محمود مجھے چادر اوڑھا کر چلا گیا۔

دو دن تک میں ڈاکٹر گھوش اور محمود کی خوشامدیں کرتا رہا۔ کہ کسی طرح وہ مجھے سلومی کو دکھا دیں۔ لیکن وہ ٹالتے رہے ــــــ میری حالت پہلے سے بہتر تھی۔ زخم بھی بھرنے لگا تھا ــــــ

تیسرے روز شام کو پانچ بجے کے قریب محمود آیا۔ اور اس نے کہا۔

"چلو ــــــ اگر تم سلومی سے ملنا چاہتے ہو۔ تو میرے ساتھ چلو! وہ ہوش میں آگئی ہے اور تم سے ملنا چاہتی ہے"

"چلو ــــــ جلدی چلو ــــــ! میں اپنی سلومی کو دیکھنا چاہتا ہوں"

ــــــ میں نے بے تابی سے کہا۔

محمود نے مجھے سہارا دے کر اُٹھایا۔ اور بچوں کی طرح گود میں اٹھا کر دوسرے کمرے میں لے گیا ــــــ کمرے میں داخل ہوتے ہی میری نظر سب سے پہلے سلومی پر گئی ــــــ وہ مسہری پر اس طرح خاموش پڑی تھی جیسے سو رہی ہو ــــــ خون زیادہ نکل جانے کے باعث اسکا چہرہ پیلا پڑ گیا تھا۔ ڈاکٹر گھوش اسکے سرہانے کھڑے تھے۔ اور ایک نرس انکے برابر شیشے کا ایک برتن لئے کھڑی تھی۔

"سلومی" ــــــ میں نے قریب پہنچ کر اُسے آہستہ سے پکارا۔

"شی" ــــــ ڈاکٹر گھوش نے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر مجھے خاموش کراتے

ہوئے کہا ——— "تمہارے آنے آتے اِس کی آنکھ لگ گئی ہے۔ بہتر ہے کہ تم اسے
اب مت جگاؤ ——— پھر مِل لینا"۔ ———
لیکن سلومی میری آواز سن کر جاگ گئی تھی ——— اس نے آنکھیں کھول
دیں ——— وہ پہلے مجھے ایک منٹ تک بغور دیکھتی رہی. جیسے پہچاننے کی
کوشش کر رہی ہو ——— پھر ایک ہلکی سی مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر
دوڑ گئی ۔۔

"سلومی ——— ! میں نے اسے مسکراتے ہوئے دیکھ کر اس کا ہاتھ اپنے
ہاتھ میں لے کر سہلاتے ہوئے کہا ——— "اب کیسی طبیعت ہے"۔ ———

"اچھی ہے" ——— اس نے بڑی کمزور آواز میں جواب دیا۔ "تمہارے
گولی کہاں لگی تھی" ——— ؟

"شانے میں" ——— میں نے کہا ——— "تم میرا فکر نہ کرو میں بالکل
اچھا ہوں" ———

"خدا کرے ہمیشہ اچھے رہو" ——— اس نے آہستہ سے اپنا ہاتھ اٹھا کر
میری گود میں رکھ دیا ——— "اب تو میری جانب سے بدگمان نہیں ہو" ؟

"بالکل نہیں ——— تم نے میری جان بچانے کی خاطر اتنی بڑی قربانی کی
اس کے بعد بھلا میں تم سے بدگمان رہ سکتا ہوں" ——— ! مجھے تو افسوس ہے
کہ میں نے اپنے رویئے سے تمہارے نازک دل کو صدمہ پہنچایا۔ جسکے لئے میں
معافی چاہتا ہوں" ——— میں نے یہ الفاظ کہتے ہوئے گرمجوشی سے اسکا
ہاتھ اپنے ہونٹوں سے لگا لیا ——— اور اس نے دوسرے لوگوں کی موجودگی
کا احساس کر کے شرما کر اپنا ہاتھ کھینچ لیا ———

بس تو اب میں چین سے مر سکوں گی ——— میری سب سے بڑی خواہش پوری

ہو گئی کہ آخری وقت تمہیں دیکھ لوں"

"ایسا نہ کہو سلومی ــــــ! تم مر نہیں سکتیں"ــــــ

"نہیں اسلم ــــــ! اس وقت تک میں صرف تمہیں دیکھنے کی تمنا میں موت کا مقابلہ کر رہی تھی ــــــ ورنہ مجھ میں کیا رکھا ہے ــــــ گولی سینے کے پار ہو چکی ہے ــــــ جسم کا سارا خون نکل چکا ہے ــــ سینے میں فقط سانس اٹکا ہُوا ہے ــــــ وہ بھی بس ختم ہونے والا ہے"ــــــ

"سلومی"ــــــ! میں نے اس کے ہونٹوں پہ آہستہ سے اپنا ہاتھ رکھ دیا ــــــ "خدا کے لئے ایسی باتیں نہ کرو ــــــ میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا ــــــ

"لیکن اسلم"! ــــــ اس نے میری بات کاٹ کر کہا ــــــ "میرا مر جانا ہی اچھا ہے ــــــ میں تمہارے کسی کام نہیں آ سکتی ــــــ کیا تم بھول گئے ہو کہ میں کس قدر زہریلی ہوں"ــــــ؟

"کچھ بھی ہو ــــــ میں تمہارے ساتھ مر جانا قبول کر لونگا ــــــ لیکن تم سے جدا رہنا پسند نہیں کر سکتا"

"چھی چھی ــــــ ایسی باتیں نہیں کیا کرتے"ــــــ اس نے بڑے پیار سے میرے ماتھے پر جھولتی ہوئی ایک لٹ کو ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

"میں مر جاؤں گی تو کیا ہُوا ــــــ؟ خدا تمہیں کوئی مجھ سے اچھی زندگی کی ساتھی دے دیگا"ــــــ

پھر محمود کو اپنے قریب بلا کر اُس نے کہا۔

"محمود بھائی ــــــ! میری وجہ سے آپ کو جو تکلیف پہنچی ہو اسکے لئے میں معافی چاہتی ہوں ــــــ اب میں کچھ دیر کی مہمان ہوں مجھے اپنی

روح کھنچتی ہوئی محسوس ہو رہی ہے اس آخری وقت میں میں اسلم سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتی ہوں ——— اگر تکلیف نہ ہو۔ تو آپ لوگ ذرا باہر چلے جائیں ——— !

محمود نے ڈاکٹر گھوش سے کہا ——— وہ راضی ہو گئے ——— اور فوراً نرس کو ساتھ لے کر باہر چلے گئے ——— کمرہ خالی ہو جانے پر سلومی نے کہا ———

"اسلم ——— ! اب تم میرے برابر بیٹھ جاؤ ——— اور آخری بار مجھے پیار کر لو ——— لیکن دیکھو میرے ہونٹ نہ چومنا" ———

میں اس کے قریب بیٹھ گیا اور جھک کر اس کی جلتی ہوئی پیشانی پر اپنے ہونٹ رکھ دئے۔

نہ جانے کب تک میں اسی طرح مدہوش بیٹھا رہا ——— یکایک سلومی کے جسم میں ایک ہلکا سا جھٹکا محسوس ہوا۔ اور بہت ہلکی سی آواز اس کے ہونٹوں سے نکلی ———

"اسلم" ——— ! میں جلدی سے اٹھ بیٹھا ——— دیکھا تو وہاں کچھ بھی نہیں تھا ——— سارا معاملہ ختم ہو چکا تھا ——— سلومی کی گردن ایک جانب ڈھلک گئی تھی ——— اور اس کے ہونٹوں پر ایک ملکوتی مسکراہٹ ناچ رہی تھی۔

"سلومی" ——— ! میرے منہ سے ایک چیخ نکل گئی۔ اور میں سلومی کے مردہ جسم سے چمٹ کر بے ہوش ہو گیا۔

اور آج زندگی کے کئی طویل سال گذر جانے کے بعد بھی میں اس زہریلی لڑکی

کو اپنی رگ و جان سے بھی قریب پاتا ہوں ـــــــ اس کی یاد میری زندگی کا ایک جزو بن کر رہ گئی ہے۔ جس کے بغیر میں ایک لمحہ بھی چین سے نہیں بیٹھ سکتا ـــــــ حقیقتاً اس کی محبت کا زہر پوری طرح میرے خون میں شامل ہو چکا ہے جس کے بغیر میں زندہ نہیں رہ سکتا ـــــــ!

محمد سجاد بھٹی، ناصر محمود، یاسر حسنین